اکوڑہ خٹک
الحق
نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
اکتوبر سنہ ۷۸ء
لطائف قدوسی (۲)
مدیر
سمیع الحق

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق
قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم : ۴ — فون نمبر رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۴ — اکتوبر ۱۹۷۸ء
شمارہ نمبر : ۱ — ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
نقشِ آغاز	سمیع الحق	۲
جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ	مولانا سعید اللہ صاحب	۵
اسلامی نظامِ تعلیم	امین میر نگرہی	۱۴
معارفِ اشرفیہ	مولانا تھانویؒ بروایت شاہ عبدالغنی پھولپوری	۲۰
خطاب عید الاضحیٰ	مولانا محمد تقی امینی	۲۲
خواتین کو ہدایات و نصائح	خواجہ محمد معصوم سرہندی	۲۷
مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کی لطائف قدوسی	پروفیسر محمد اسلم صاحب	۳۱
پشتو میں سیرت کی کتابیں	قاضی سعید اللہ صاحب	۴۲
مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ	حافظ محمد اکبر شاہ صاحب	۴۸
جدید زبانوں کے عربی ماخذ	مصنطر عباسی ایم اے	۵۲
افکار و اخبار	مولانا انظر شاہ کشمیری وغیرہ	۵۶
دارالعلوم کے شب و روز	شفیق فاروقی	۵۹

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے ـــــ فی پرچہ دو روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ ـــــ ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
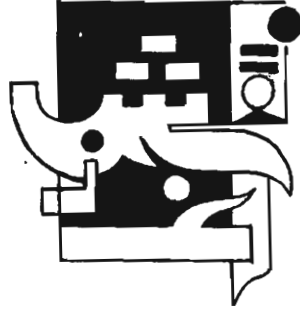
الحق نے اپنی حیاتِ مستعار کے تیرہ۱۳ برس پورے کر لئے۔ الحمد للہ الذی بنعمتہ وکرمہ تتم الصالحات۔ خداوند قدوس نے اس راہ پُرخطر میں کس کس طرح دستگیری فرمائی اور اس ناچیز رسالہ کو کن کن طریقوں سے اپنے الطاف و عنایات سے نواز اس کا نہ تو بیان ممکن ہے نہ احاطہ۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا۔ اب تک شائع شدہ الحق کے تقریباً دس ہزار صفحات کی ہر سطر اور سطر کا ہر نقطہ زبانِ حال سے ان عنایاتِ ربانی پر سربسجود ہو جائے اور اس روسیاہ خادم الحق کا ہر ہر رواں شکر گذار ہو تب بھی اس ذاتِ بے ہمتا کا شکریہ ادا کرنا ناممکن ہے۔ یہ اسی کی توفیق اور عنایت ہے کہ کسی تنکے کو بھی کام کا ذریعہ بنا دے ــــ اور آج جب کہ الحق زندگی کی چودھویں۱۴ منزل میں قدم رکھ رہا ہے، ہم اپنے فاضل اور مخلص قارئین کی دعاؤں کے ساتھ دستِ طلب اٹھاتے ہوئے اس ملک الملک کی توفیق و رہنمائی اور بہترین دستگیری کے متمنی ہیں۔ بار الٰہ اس حقیر کوشش کو اپنی مرضیات سے نواز کر اسے ملتِ حنیفیہ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ اور اسلام کے فروغ و اشاعت کا ذریعہ بنا اور یہ عالمِ جہل و ظلم میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لئے روشنی کا پیغام ہو اس شمع کو اٹھانے والے ہاتھوں کی بے بسی، کمزوری، نالائقی، اور نااہلیت کے باوجود اسے تاابد فروزاں رکھ۔ آمین یارب العالمین۔

پچھلے ہفتہ عالمِ اسلام کے مقتدر شیخ اور جلیل القدر عالم شیخ عبدالحلیم محمودؒ شیخ الازہر انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ الازہر کا ہر دور میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ مگر مرحوم کا شمار ازہر کے ان گنے چنے مشائخ کرام میں ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل، ظاہر کے ساتھ باطن، شریعت کے ساتھ طریقت کی نعمتوں سے نوازا تھا، علم و تقویٰ، زہد و عمل، تبحر بلکہ بحیثیت ہر پہلو سے آپ کی ذات ایک نمونہ تھی۔ ایسے شیخ کا ایسے وقت میں جبکہ پاکستان سمیت دیگر اسلامی ممالک کے دینی کاموں میں ان کی رہنمائی کی ضرورت تھی، یکایک جدا ہو جانا پوری ملتِ مسلمہ کے لئے ایک المیہ ہے۔ جانے والوں کی زندگی اسوہ ہوتی ہے اور ان کی تعلیمات و

ہدایات اور نصائح و فرمودات سے علم و عمل کو جلا ملتی ہے۔ خوش قسمتی سے چند سال قبل جب شیخ الازہر مرحوم نے پاکستان کو اپنی آمد سے نوازا، تو احقر نے ایک ملاقات میں قارئین الحق کے لئے کچھ ہدایات و نصائح کی اپیل کی، آپ نے از راہِ شفقت صرف زبانی نہیں بلکہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حسب ذیل تحریر نصائح سے نوازا۔ شیخ کی جدائی کے اس المناک موقع پر ان کی عظمت اور نصیحت کی جامعیت و افادیت کے پیشِ نظر ہم اسے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ الازہر مرحوم نے اہلِ علم کو خاص طور سے مخاطب فرماتے ہوئے لکھا ہے:

النصیحۃ ان یھب الانسان نفسہٗ لِلّٰہ تأسیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یقول اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لہٗ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہ رب العالمین۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہ رب العالمین لاشریک لہٗ وبذلک امرت وانا اول المسلمین وحیات الانسان اذن یجب ان تکون لِلّٰہ واذا ما وھب الانسان حیاتہٗ لِلّٰہ فیجب علیہ ان یثقف نفسہٗ اسلامیًا۔ وذلک بدراسۃ القرآن الکریم والسنۃ النبویۃ الشریفۃ ومن افضل الکتب بعد القرآن الکریم کتب ائمۃ الحدیث مثل صحیح البخاری وصحیح مسلم وکتاب ریاض الصالحین وکذلک کتاب احیاء علوم الدین وکتاب السیرۃ النبویۃ لابن کثیر۔	نصیحت یہ ہے کہ انسان نبی کریم علیہ السلام کے اقتداء میں اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے جنہیں خداوند کریم نے مخاطب کر کے بااعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ میری نماز اور عبادتیں میری زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں یہی مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے سر تسلیم و انقیاد خم کرنے والا ہوں۔ پس اب لازم ہے کہ انسان کی زندگی صرف اللہ کے لئے ہو اور جب انسان اپنی زندگی خدا کو بخش دیتا ہے تو لازم ہے کہ اپنے نفس کی اسلامی حیثیت سے اصلاح کرے یہ اصلاح اور شائستگی قرآن کریم اور سنتِ نبی کریم سے ہو سکتی ہے۔ اور قرآن کے بعد سب سے بہتر کتابیں ائمہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف، ریاض الصالحین اور احیاء علوم اور ابن کثیر کی سیرت نبویہ۔
واذا وھب الانسان نفسہ لِلّٰہ فعلیہ	اور جب سب کچھ انسان خدا کے سپرد کر

ان یهدی الآخرون الی الله تعالیٰ وذلک بالدعوة الی التمسک بالدین والتمسک بالخلق الصالح ——— والله الموفق ۔

دے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اب اوروں کی بھی اللہ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ کام دین پہ عمل پیرا ہوکر اور اسلام کے اخلاق واعمال صالح اپنا کر ہو سکتا ہے۔

عبدالحلیم محمود شیخ الازہر

شیخ الازہر کے مذکورہ جامع کلمات میں عام مسلمانوں اور اہل علم کے لئے صدہا نصیحتیں ہیں خداوند قدوس ہم سب کو ایسے جامع اور عبقری مشائخ کی تعلیمات پہ عمل کی توفیق دے اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بہترین مقاماتِ قرب و رضا سے نوازے اور جامع ازہر کو اس کے شایانِ شان جامع الصفات شیخ کی سیادت نصیب ہو۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان مدارس عربیہ کی سب سے بڑی تنظیم ہے۔ جو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی قیادت وسیادت میں مدارسِ عربیہ کی تنظیم اور تعلیمی مسائل میں رہنمائی کا فرض انجام دے رہی ہے، مدارس فوقانی کے دورۂ حدیث کے امتحانات وفاق کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور بحمد اللہ ان امتحانات میں شرکت کرنے والے دورۂ حدیث کے طلبہ کی سب سے بڑی تعداد دارالعلوم حقانیہ کی ہوتی ہے۔ اس سال ۱۳۹۸ھ کے سالانہ امتحانات کا نتیجہ شائع ہوگیا ہے۔ اور یہ خبر علمی ودینی حلقوں کے لئے عموماً اور وابستگان دارالعلوم حقانیہ کے لئے خصوصاً مسرتوں کا باعث بنے گی کہ پورے پاکستان سے وفاق کے ان امتحانات میں شرکت کرنے والے مدارس میں فسٹ آنے والے طالب العلم دارالعلوم حقانیہ کے ہیں۔ ان کا نام مولانا سعید الرحمان نعمانی (افغانستانی) ہے اور انہوں نے پانچ سو سے زائد نمبرات لیکر اوّل پوزیشن حاصل کی یہ صرف ان کے لئے نہیں بلکہ ان کے مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کے لئے بھی ایک اعزاز ہے جس پہ ہم انہیں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

والله یقول الحق وهو یهدی السبیل ۔

سمیع الحق

مولانا سید سعید اللہ صاحب
مازارہ
شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ پر اجماع صحابہؓ

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب نہیں۔ موجودہ ترتیب وہ ترتیب ہے جس کے مطابق قرآن کریم عالم غیب (لوح محفوظ) میں محفوظ تھا۔ نزول کے لحاظ سے قرآنی آیات وسور موقع کے مطابق وقتاً فوقتاً اترتی رہیں اور ان کا نزول اس موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں تھا۔ چنانچہ سورہ العلق جو موجودہ ترتیب کے مطابق سورہ ۹۶ ہے اور آخری پارے میں ہے نزول کے لحاظ سے مقدم ترین ہے۔ چونکہ نزولی ترتیب مقصود نہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ اس کے برعکس موجودہ ترتیب کا اہتمام بروقت کیا گیا۔ جب بھی قرآن مجید کے کچھ آیات نازل ہو جاتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کاتب کو بلا لیتے اور اس سے وہ آیات متعلقہ سورت کی متعین جگہ میں اپنے روبرو لکھواتے۔ اسی طرح کئی سورتوں کا نزول جاری رہتا[۱]۔ جو جو سورتیں مکمل ہو جاتیں ان کی متفرق نوشتوں سے صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر سورتیں جمع کر لیتے[۲]۔ جن کے صحف وہ اپنے پاس رکھتے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے تک قرآن مجید کا نزول جاری تھا اس لئے عہد نبوی میں اس کو مصحف میں جمع نہیں کیا گیا[۳]۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے پر قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ہر ہر سورت کی آیات اپنی اپنی سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق باجماع صحابہ جمع کی گئیں۔ اور تمام سورتوں کے صحف آپس میں ترتیب کے لحاظ کے بغیر یکجا جمع کئے گئے[۴]۔ دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی انفرادی طور پر اپنے لئے مصاحف لکھے تھے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آیت

---

[۱] الحاکم: المستدرک ۲ : ۲۲۱ [۲] الحاکم: المستدرک ۲ : ۶۱۱ [۳] السیوطی: الاتقان: ۵۷ [۴] الکوثری: مقالات ۸ [۵] الاتقان ۱ : ۶۰

کی جگہ ان کی اپنی اپنی سورت میں متعین فرمائی تھی۔ اس لئے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں کسی صحابیؓ کے مصحف کی کسی سورت میں آیات کی تقدیم و تاخیر کا ذکر ہو۔ مگر سورتوں کی آپس کی ترتیب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح نہیں فرمائی تھی۔ اس لئے صحابہ کرامؓ تلاوت میں آپؐ کے طرزِ عمل کو مدِنظر رکھتے ہوئے سورتوں کی آپس میں ترتیب کا لحاظ تو رکھتے مگر کتابی شکل میں سورتوں کی آپس میں ترتیب کا اہتمام نہیں فرما چکے تھے جیسا کہ ابوبکر صدیق رضؓ کی عہدِ خلافت میں ہر ہر سورت کے تمام آیات تو اپنی اپنی سورت میں جمع کی گئی تھیں مگر سورتوں کی آپس میں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔

اس کے علاوہ مدنی دور کے اواخر میں قرآن مجید کی بعض جگہوں کا نزول ایک حرف سے زائد دو تین زیادہ سے زیادہ سات احرف تک ہوتا رہا۔ اس بناء پر ایسی روایات ملتی ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ کے مصاحف کی بعض جگہوں میں حرف کا اور بعض سورتوں کی ترتیب میں اختلاف تھا۔

اس قسم کی روایات کا سہارا لیتے ہوئے مستشرقین مسلمانوں کے دلوں میں یہ شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس کی جمع کی نسبت حضرت عثمانؓ کی طرف کی جاتی ہے پر صحابہ کرامؓ متفق نہ تھے[1] اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست لینے والے اس پر متفق نہ تھے تو آپؐ سے قرآن مجید یقینی طور پر ثابت نہیں۔

چنانچہ وہ مندرجہ ذیل حقائق آیات کے نزول کے ساتھ متواتر طور پر صحابہ کرامؓ کے سینوں میں ان کے حفظ کے انتظام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عہدِ خلافت میں باجماع صحابہ ہر ہر سورت کی آیات کا اپنی اپنی سورت میں جمع کرنے کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن مجید کی حفاظت "و انا لہ لحافظون" پر مسلمانوں کے پختہ عقیدہ کو متزلزل کرنے کے درپے ہیں مگر علیم و خبیر خالق کو ان اعداءِ اسلام کی ان سازشوں کا علم تھا اس لئے جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ کے اول سے لے کر آخر تک پورے حالات ایسے طور پر پیدا فرمائے کہ ان کے شکوک و شبہات ڈالنے کے وہ تمام سہارے بے کار ہو جاتے ہیں جن سے وہ مسلمانوں کے ایمان و یقین کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عنوانات (ا) طریقہ جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ (ب) سبب جمع قرآن (ج) صحابہ کرام کے اقوال، افعال اور

---

[1] اس کے لئے ملاحظہ ہو گولڈ تسہر کی کتاب "مذاہب التفسیر الاسلامی" اور آرتھر جیفری کی Materials for the History of the Holy Quran جو اس نے کتاب المصاحف کے ساتھ شائع کیا ہے۔

تاریخی واقعات (د) اور قرآن و حدیث کی تصریحات کی روشنی میں ثابت کیا جائے گا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کی جو مہم تکمیل تک پہنچائی گئی وہ حضرت عثمانؓ کا اپنا انفرادی عمل نہ تھا۔ بلکہ خلیفہ راشد کی نگرانی میں صحابہؓ کرام کا اہم ترین فریضہ تھا۔ جو انہیں عرضۂ اخیرہ (آخری رمضان) میں پڑھی ہوئی قرات کے مطابق جمع کرنا تھا۔ جس سے ثابت ہو جائے گا کہ جس ترتیب اور حروف سے حضرت عثمان کی عہد خلافت میں قرآن مجید جمع کیا گیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی نہ کبھی اس کو غلط بتایا اور نہ ان کو کبھی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک و تردد لاحق ہوا۔

(ا) ۱۔ جب احرف میں اختلاف کی بناء پر امت کا آپس میں افتراق کا خطرہ لاحق ہوا تو آپؓ نے از خود اپنی طرف سے یہ کام شروع نہ کیا بلکہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا

اجتمعوا یا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوا للناس اماما — اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تم جمع ہو جاؤ پس لوگوں کے لئے مصحف امام لکھو۔[1]

۲۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا:۔

نری ان تجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقۃ ولا یکون اختلاف قلنا، فنعم ما رأیت[1] — ہماری یہ رائے ہے کہ ہم ایک مصحف پر لوگوں کو جمع کریں تاکہ افتراق اور اختلاف نہ رہے، ہم نے کہا آپ کی رائے صحیح ہے۔

۳۔ جب صحابہ کی طرف سے ایک مصحف پر امت کو جمع کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نہ کسی خاص شخص سے یہ فرمایا کہ وہ اپنی یاد سے قرآن مجید جمع کرے اور نہ ایک شخص یا چند محدود افراد سے مصحف طلب کئے کہ ان سے مصحف لکھے بلکہ عام اعلان فرمایا۔

من کان عندہ شیئ من القرآن فلیأت بہ[2] — جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی حصہ ہو وہ لائے۔

اور پھر ہر لانے والے سے اس نوشتہ کے بارے میں یہ قسم لی۔

لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے

---

[1] الطبری: جامع البیان ۱: ۲۰ - ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف: ۲۱
اس حدیث کی بناء پر اس مقالہ میں جہاں مصحف امام کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد قرآن مجید ہوگی۔

[2] ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف: ۲۲

وھوا۔لاہ علیك فیقول : نعم [1] حال میں سنا کہ آپؐ پر اس کا اِملا فرماتے رہے تو وہ کہتا ہاں۔

۴۔ صحابہ کرامؓ کے ان لائے ہوئے صحائف سے جب مصحف لکھنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے کسی کو منتخب نہیں فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ سے رائے لی کہ کتابت میں سب سے زیادہ ماہر کون ہے تو انہوں نے فرمایا "کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن ثابت"

پھر فرمایا کہ لوگوں میں فصیح ترین کون ہے انہوں نے کہا "سعید بن العاص" [2]

۵۔ جب صحابہ کرامؓ کے ان لائے ہوئے نوشتوں سے مصحف لکھا گیا تو اس کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کے ان جمع شدہ مصحف سے کیا گیا جو کسی خاص شخص کا انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ کا ایک اجتماعی عمل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتوں سے جمع کئے گئے تھے جن سے اُس وقت مصحف میں آیات نہ لکھے جاتے جب تک کہ لانے والا اس پر دو گواہ قائم نہ کرتا کہ یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب سے ہمارے روبرو اسی طرح لکھوائے ہیں [3]

گویا کہ مصحف امام دو بار صحابہ کرام کے ان نوشتوں سے جمع کیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے گئے تھے اور دو بار صحابہ کا اس پر اجماع ہوا پہلی بار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جمع قرآن کی مہم، خلیفۂ راشد کی نگرانی میں خلافت راشدہ کے فرائض میں سے اہم ترین فریضہ ہونے پر اور کسی خاص شخص کا انفرادی عمل نہ ہونے پر دلیل، حضرت علیؓ کا یہ قول ہے "لَوْ وُلِّيتُهُ لَفَعَلْتُ ما فعلَ فی المصاحف" [4] یعنی اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں مصاحف کے بارے میں وہی کام کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا۔

اور جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف جلانے کا حکم فرمایا تو آپ نے فرمایا

لَوْلَمْ يَصْنَعْهُ عثمان لَصَنَعْتُهُ [5] اگر حضرت عثمان یہ کام نہ کرتے تو میں ضرور بالضرور یہ اس کو کر دیتا۔

اگر بالفرض اُس وقت حضرت عثمان کی جگہ حضرت علی خلیفہ ہوتے تو ان کی نگرانی میں اسی طرح سے یہ کارنامہ انجام تک پہنچایا جاتا اور جس طرح حضرت عثمانؓ نے مصحف امام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحف کے

---

[1] ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف: ۲۴ [2] کتاب المصاحف: ۳۲ [3] الطبری: جامع البیان ۱: ۲۱ [4] کتاب المصاحف: ۱۲

ماسوا اور مصاحف کے جلانے کا حکم فرمایا تھا اسی طرح حضرت علی بھی یہی حکم فرماتے جو حضرت علیؓ کے اس قول لَفَعَلْتُ مَا فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ سے ظاہر ہے۔

ب۔ مصحف امام سے پہلے کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب یا حرف کے اختلاف کا مسئلہ

حضرت ابن مسعودؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ اور حضرت علیؓ وغیرہم حضرات صحابہ کرام کے مصاحف کے اختلاف کے بارے میں جو روایات منقول ہیں۔ ان حضرات میں سے کسی نے بھی نہ ایک دوسرے کے مصحف کو غلط بتایا اور نہ ہی مخالفت کی تھی کیونکہ یہ اختلاف یا تو حرف کا اختلاف تھا یا اور کسی سورت کی تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔

حرف کا اختلاف اس بنا پر تھا کہ قرآن مجید کا نزول سات احرف سے ہوا تھا۔ اس لئے کوئی مصحف بھی ایسے حرف سے نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا تھا۔ اور کسی سورت کی تقدیم و تاخیر اس بناء پر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں میں آیات کی ترتیب کی طرح ہر سورت کی آپس میں ترتیب پر تصریح نہیں فرمائی تھی۔ اس لئے ان سے اپنے اپنے مصحف میں کسی سورت کی تقدیم و تاخیر ہو سکتی تھی یہ اختلاف اس قسم کا نہ تھا جس سے قرآن مجید کی قرآنیت پر اثر پڑتا۔

البتہ مشیت الہٰی کا تقاضا یہ ہوا تھا کہ عہد نبوی میں بھی اور آپ کی رحلت فرمانے کے بعد قرن اول میں بھی ایسے حوادث پیش آئے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ زمانۂ نزول سے لے کر ہمیشہ کے لئے امت کی برداشت سے یہ بات باہر ہے کہ وہ قرآن مجید کے کسی ایک کلمہ کو بھی ایسے حرف سے سنے جس کے بارے میں ان کو یہ یقین حاصل نہ ہو کہ، اسی طرح پڑھنا ہے جس طرح کہ نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ سے اس حرف سے سنا جس حرف سے انہوں نے آپ سے نہیں سنا تھا۔ تو آپ نے اس پر نماز میں جھپٹنے کا ارادہ کیا مگر نماز کے پورا کرنے تک آپ نے انتظار فرمایا اور نماز کے ختم کرنے کے ساتھ ہی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا اور اس وقت تک ان کو نہیں چھوڑا جب تک کہ انہیں یہ تسلی حاصل نہیں ہوئی کہ وہ بھی نازل شدہ حرف سے پڑھتے ہیں۔[۲]

اور حضرت ابی بن کعبؓ کو جب اس قسم کا معاملہ درپیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی تصویب فرمائی تو آپ اس وقت کی اپنی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:

فَسَقَطَ فِي نفسي وَلا اذ كُنتُ فِي الجاهلية	یعنی میرے دل میں ایسا شک پیدا ہوا کہ جاہلیت میں بھی
فضرب في صدري ففضت عرقًا كأنما	مجھے ایسا شک پیش نہیں آیا تھا اس شک کے آنے کی

---

[۱] السیوطی: الاتقان ۱: ۶۱ [۲] صحیح بخاری ۲: ۷۴۷، طبع ۱۲۸۸ھ

انظر الی اللہِ فَرَقاً۔ فقال لی۔ یا اُبَیُّ! اُرسِلَ اِلَیَّ ان اقرءَ القرآن علیٰ حرف! الحدیث[1]

بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مبارک مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور ڈر کے مارے میری حالت ایسی ہو گئی گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتا ہوں۔ آپؐ نے مجھے فرمایا اے ابیؓ! میری طرف جب بھیجا گیا کہ میں قرآن مجید ایک حرف سے پڑھوں۔ آخر حدیث تک

صحابہ کرامؓ کے یہ دو واقعات بطور نمونہ کے ذکر کئے گئے جن کے لئے ایسے مواقع کے پیش آنے پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ممکن تھا۔ مگر آپؐ کی رحلت کے بعد جب ایک دوسرے سے ایسے حرف سنے جانے لگے جن کے بارے میں ان کو یہ یقین حاصل نہ تھا کہ یہ بھی نازل شدہ حرف سے پڑھتا ہے جس کی بنا پر ان کے آپس میں قتل و قتال کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ ضروری سمجھا گیا کہ باجماع صحابہؓ عرضۂ اخیرہ (آخری رمضان) میں پڑھی ہوئی قرأت کے مطابق مصحف لکھا جائے۔ تاکہ تا قیامت آیندہ آنے والے لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت ہو کہ امت نے قرآن مجید میں نہ کسی قسم کے تغیر کو برداشت کیا اور نہ کر سکے گا۔ اور یہ کہ صحابہ کرام نے اسی قرأت اور ترتیب سے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اسی قرأت اور ترتیب سے قرن اول نے قرن ثانی تک اور ہر ہر قرن نے آنے والے قرن تک پہنچایا، اور پہنچاتا رہتا ہے اور "اِنَّا لَہٗ لَحافِظُون" اور "لا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ" کی پیش گوئی سچی ثابت ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کے بارے میں لوگوں پر حجت قائم ہے۔

ج۔ ا۔ قرآن مجید میں کسی قسم کے تصرف کو امت کی برداشت سے باہر ہونے پر شاہد عدل قائم کرنے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ التلاوۃ آیت" الشیخ و الشّیخۃُ اذا زَنَیا فارجُموھُمَا نکالاً مِّنَ اللہِ" کے حکم کی اہمیت کے بارے میں حضرت عمر الفاروقؓ کی زبان سے یہ کلمات کہلوائے۔

لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہِ عزّوجلّ لَکَتَبْتُھَا[2]

اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کی تو میں ضرور اس کو قرآن مجید میں لکھ دیتا

جب حضرت عمرؓ جیسے شخص جن کی رشد و ہدایت پر وحی ناطق ہے اور جن کی اقتدار و سطوت کی مثال صفحۂ ہستی پر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ ایسے نازل شدہ حکم کا اضافہ قرآن مجید میں نہیں کر سکتا۔ جو اہم اور باقی ہو مگر اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو تو دوسروں کے لئے اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کے امکان کا احتمال ہی نہیں رہ سکتا

---

[1] العسقلانی: فتح الباری ۱۰: ۸ [2] سنن ابی داؤد ۲: ۲۵۰ باب فی الرجم مطبع قادری دہلی

۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کبار صحابہؓ سے " جن کے مصاحف کی بعض سورتوں کی ترتیب اور بعض جگہوں میں حرف کے مختلف ہونے کی روایات سے قرآن مجید میں ان کے اختلاف کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں " ایسے اقوال اور افعال صادر فرمائے اور ایسے خارجی واقعات وجود میں لائے جس نے ثابت کر دیا کہ تمام حضرات صحابہ کا مصحف امام پر اجماع ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب خود مصحف امام کے املا کرنے والوں میں تھے[1] اور حضرت علیؓ نے مصحف امام کے بارے میں فرمایا تھا۔ " لَوْ وُلِّيتُهُ لَفَعَلْتُ مَا فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ " اور " لو لم يصنعه عثمان لَصَنَعْتُهُ "

اگر آپ حضرات کا مصحف امام پر اجماع نہ ہوتا اور وہ کسی دوسری ترتیب یا حرف کے قائل ہوتے تو حضرت ابی بن کعبؓ مصحف امام کے املا کرنے والوں میں شامل نہ ہوتے اور حضرت علیؓ نہ ذکر شدہ کلمات فرماتے اور نہ خلافت سے پہلے اور نہ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس کی اشاعت پر خاموش رہ سکتے۔

۳۔ جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی فوج نے قرآن مجید کو جب نیزوں پر اٹھایا کہ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہوگا تو حضرت علیؓ نے یہی مصحف امام جمع شدہ بعہد حضرت عثمانؓ کو حکم بنانے کی دعوت کو قبول کرنا اپنے اوپر لازم سمجھا اور اس کے احترام کی خاطر حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ بند کر دی[2] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزوی فرعی مسائل میں ان کی اختلاف رائے ہوتی۔ مگر سب کا اس پر اجماع تھا کہ قرآن مجید جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی ہے جو ہمارے سامنے اب موجود ہے۔

اسی طرح کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے آپ کے حلقۂ درس میں لاتعداد لوگ شامل ہوتے ان کی کثرت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ جب عبدالرحمن بن اشعث بنو امیہ کے خلاف کھڑے ہوئے تو ان کے ساتھ صرف قُرّاء کی تعداد چار ہزار تھی جن میں سے بعض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے براہ راست شاگرد تھے اور بعض ان کے شاگردوں کے شاگرد[3] ان کی وجہ سے مشرق میں قرآن مجید کا درس و تدریس عام ہو چکا ہے۔ اگر حضرت ابن مسعودؓ مصحف امام کی ترتیب و قراءت کے خلاف کسی دوسری ترتیب اور قراءت والے مصحف کے قائل ہوتے تو مشرق میں ضرور ان کے مصحف کی نشر و اشاعت ہوتی۔ جس کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ناممکن ہوتا۔ جیسا کہ فقہ حنفی کا مٹانا ناممکن ہے جس کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوے اور حضرت علیؓ کے فتاوے اور فیصلے ہیں[4] جو مشرق میں رائج ہے۔

(د) اس کے علاوہ مصحف امام قرن اول میں لکھا گیا جس کی افضلیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف: ۲۶ [2] الخضری: اتمام الوفاء: ۲۲۳ [3] الکوثری: مقالات: ۱۴۰ [4] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ ۱: ۳۲۸

نے فرمایا :-

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ

اور با جماع صحابہ لکھ گیا ہے جس کی حجت ہونے کے بارے میں ارشاد مبارک ہے :-

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ	میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی

اور خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اس مہم کو انجام تک پہنچایا گیا۔ جن کے دینی کارناموں کے تمکن (مستحکم) کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں یہ پیشین گوئی فرمائی گئی ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا	تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں
الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ	ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں حکومت
کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ	عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو
وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی	حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے
لَھُمْ (الی) وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ	پسند کیا ہے اس کو ان کے واسطے قوت دے گا
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ o	(الی) اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر کرے گا سو
	ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں[1]

---

[1] جو روایت علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین کے نہ لکھے جانے اور ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف[2] میں مصحف امام کے لکھنے کے بعد ان کا اپنے مصاحف کے جلانے سے انکار کے متعلق نقل کئے ہیں۔ یہ روایات اس وقت سے متعلق ہیں جب کہ ان کو یقین حاصل نہیں ہوا تھا کہ جمع قرآن کا یہ کارنامہ ممکن (مستحکم) ہو جائے گا۔ جب ان کو اس کی تمکین پر یقین حاصل ہوا تو آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ اجماع کیا۔ تمکین کے بعد آیت کی رو سے کسی مومن کے لئے مخالفت کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ اجماع کی حقیقت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے بتایا ہے :-

و معنی اجماع کہ بزبان علماء دین شنیدہ باشی ایں نیست	اجماع کا لفظ تم نے علماء دین کی زبان سے سنا ہو گا۔
کہ ہمہ مجتہدان لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق	اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام مجتہدین (اس طرح کہ ان میں سے
کنند زیرا کہ ایں صورتے است غیر واقع بل غیر ممکن۔ بلکہ	ایک بھی علیحدہ نہ رہے سب کے سب ایک زمانہ میں کسی مسئلہ
اجماع حکم خلیفہ است بچیزی بعد مشاورۂ اہل الرای یا بغیر	پر اتفاق کریں کیونکہ یہ صورت نہ ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے بلکہ

---

[1] الاتقان ۱ : ۶۴ [2] کتاب المصاحف : ۱۳

جس طرح اللہ تعالیٰ نے استخلاف کا وعدہ پورا فرمایا۔ اسی طرح دین کی بنیاد قرآن مجید کو کتاب کی صورت میں اس طرح سے تمکین دے دی کہ خلیفہ راشد کے حکم سے ان کی نگرانی میں لکھا گیا جس کی سنت کی پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی طرح ضروری قرار دی اور ان کی ہدایت یافتہ ہونے کی پیش گوئی فرمائی۔

عَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ — تم پر میری سنت کی پیروی لازم ہے اور خلفائے راشدین کی سنت[1] کی پیروی۔ جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں اور جن کو ہدایت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں خلفائے راشدین کے کارناموں کو ممکن کرنے اور اس کو ارتضیٰ لہم[2] سے متصف کرنے خلفائے راشدین کے ہدایت یافتہ ہونے، قرن اول کی افضلیت اور ضلالت پر ان کا اجماع نہ ہونے پر قرآن و حدیث میں تصریحات اس لئے فرمائی گئیں کہ کسی کافر ملحد کے لئے اس میں شک و شبہ ڈالنے کی گنجائش نہ رہے کہ دین سے متعلق خلفائے راشدین کا کوئی کارنامہ ہدایت پر مبنی نہیں۔ قرآن و حدیث نے ان کے ہر ایسے کارنامے کو جو ممکن ہو جائے وہی حیثیت دی جو حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است گویا در ایام نبوت حضرت پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان مے فرمود و در ایام خلافت ساکت نشستہ بدست و سر اشارہ مے فرماید[3]۔ — خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت کا تھا (یوں سمجھو کہ آپؐ بعد نبوت ۲۳ برس اپنی عمر شریف کے اور ۳۰ برس زمانہ خلافت راشدہ کل ۵۳ برس دنیا میں رہے فرق صرف یہ تھا) کہ گویا زمانہ نبوت میں تصریحاً زبان[4]

[4] مبارک سے تمام باتیں فرماتے تھے اور زمانۂ خلافت میں ساکت بیٹھے ہوئے ہاتھ اور سر سے اشارہ کرتے تھے۔

بقیہ حاشیہ: آں و نفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ — اجماع کے معنی یہ ہیں کہ خلیفہ (خاص) اہل الرائے حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد یا بغیر مشورہ کئے ہوئے کوئی حکم دے اور وہ حکم نافذ ہو جائے یہاں تک کہ (تمام عالم اسلامی میں) شائع ہو جائے اور تمام اسلامی دنیا میں متمکن ہو جائے۔

[3] متمکن :- یعنی مضبوطی کے ساتھ رواج پائے گو کہ اس کا مخالف نہ ہو خلفاء راشدین کے بعض احکام ایسے ہوئے کہ تمام اسلامی دنیا میں ممکن نہ ہوئے وہ اجماع کی حد میں نہیں آ سکتے۔

حاشیہ بر کشف الغطاء اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء مولانا محمد عبدالشکور

[1] سنت اس فعل کو کہتے ہیں جو طریقہ جاریہ ہو اور طریقہ کے جاری ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس کا رواج ہو جائے۔ حاشیہ کشف الغطاء

[2] ازالۃ الخفاء ۱: ۱۰۰

س۔ ع۔ ر۔ امین۔ میرٹھی
بی اے ایل ایل بی

اسلامی نظام تعلیم پر ایک نظر

> موجودہ دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی سے فوری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی پورے نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے

غلبۂ افرنگ سے قبل برصغیر پاک و ہند اور دیگر اسلامی ممالک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج تھا۔ صدرِ اسلام سے لے کر بنی اُمیہ کے عہد تک قرآن، تفسیر و حدیث پر زور رہا۔ بنی عباس کے عہدِ مامونی سے فلسفہ، ہئیت اور منطق بھی شامل نصاب ہو گئے عباسی عہد کے اواخر میں جب سلاجقہ منظر شوکت و عروج پر آ گئے تو دنیائے اسلام کے مشرقی علاقوں میں اس نصاب تعلیم نے مختلف نام پائے اس کا سبب مختلف بڑے بڑے مدارس کی مقبولیت تھی اور سید الوریٰ مویدالملک ابوالحسن علی نظام الملک طوسی وزیر اعظم عضدالملک الپ ارسلان سلجوقی کی ذات گرامی تھی۔ جس کی غیر معمولی دلچسپی اور شغف علمی کی بدولت دنیائے اسلام علم و فن کے مدارس کے لحاظ سے رشک یونان بن گیا تھا۔ ہرات، نیشاپور، اصفہان، بصرہ، رے، بخارا، شیراز، حلب، موصل اور بغداد میں مدارس کے جال بچھ گئے۔ اور شاہِ وقت ملک شاہ سلجوقی کے احکام برائے قلعہ بندی کے علی الرغم نظام الملک مدارس پر مدارس قائم کرتے رہے اور ملک شاہ کے استفسار پر ان مدارس کو بھی قلعہ کا نام دیا۔

ان مدارس کے نصاب تعلیم اور نتائج کی مقبولیت کے پیش نظر بعد کے سلاطین نے بھی اپنے اپنے علاقہ میں نوریہ، مستنصریہ، ستیہ، صلاحیہ، رواحیہ اور ناصریہ نامی مدارس دمشق، قاہرہ، مالقہ، قبرص اور قیروان میں قائم کئے۔

ان مدارس کے فارغ التحصیل طلباء نے ساڑھے پانچ سو سال تک دنیا کو اخلاق، تہذیب، فلسفہ، تاریخ اور دیگر فنون کا درس دیا۔ اس نصاب تعلیم میں دنیا و عقبیٰ ہر دو کو سنوارنے کی عظیم صلاحیت تھی۔ دلی، بدایوں، اُوچ، ٹھٹھہ، ملتان سے لے کر قرطبہ و غرناطہ تک پھیلے ہوئے مدارس کے فضلا اور کاملین فن کا احصار و احاطہ ناممکن اور انتہائی مختصر فہرست کے

لئے بھی ضخیم جلدیں ناکافی ہیں۔
تاریخ تمدن شاہد ہے کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت انتہائی جامع اور نتیجہ خیز تھا اور اس عہد تک کہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی تک مسلمان ذہنی ارتقار کے بام عروج پر رہے۔ ہر شعبہ علم و فن میں امامت و سیادت انہیں کو حاصل تھی فضلاء اسلام اس "قانون فکر" اور نظام اجتہاد کو پا گئے تھے جس کی صداقت تفسیر و حدیث میں ہی نہیں بلکہ ہیئت و طب میں بھی مسلم ہے۔

یہ نظام فکر خالص علمی و منطقی تھا جس کے ذریعہ مفکرین اسلام نے معلوم سے غیر معلوم کو متصور اور متعین کیا اور یہی انداز فکر قیاس، درایت اور اجتہاد بن کر اسلامی تہذیب کے فروغ کا سبب بنا۔ بلکہ مدتوں اس کی حفاظت کی اور مجاہدات علمی اور تنزہین زندگی کے بے شمار معرکے سر کرسکا۔
دنیا آج تہذیب و تمدن، شعور و ثقافت کی جس منور شاہراہ پر گامزن ہے یہ سب کچھ اسی اصول فکر کی مرہون منت ہے جس کی داغ بیل قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ غرناطہ۔ بغداد۔ مالقہ کے مدارس و جامعات میں پڑی۔ اس کے برخلاف " دانش مغرب " یا عصری علوم جدیدہ کی ارتقائی مسابقت مغربی اقوام جس کے مدعی ہیں اور جسے وہ اعجاز و افسوں قرار دے کر نسل انسانی کو فکری اور ذہنی طور پر مرعوب رکھنے پر تلے ہوئے ہیں یہ محض اکتسابی ہے اور اس کی عمر تین سو سال سے زیادہ بھی نہیں اور اب تو یہ راز معلوم عوام ہے کہ حکمت افرنگ کے تمام سرچشموں کا منبع سرزمین مشرق ہے۔
الفضل بما شہدت بہ الاعداء۔ ایک مغربی دانشور موسیو رابرٹ بریفالٹ اپنی تصنیف

THE MEANING OF HUMANITY

میں لکھتے ہیں " اگرچہ یورپ کی ترقی کا ایک بھی پہلو ایسا نہیں جس سے قطعی طور پر اسلامی ثقافت کے نقوش کا پتہ نہ ملتا ہو لیکن خاص طور پر اس قوت (سائنس) کی پیدائش پر اس کے اثرات جس قدر واضح ہیں وہ کسی دوسری جگہ نہیں۔ سائنس اپنے وجود کے لئے عربوں کی مرہون منت ہے۔ سائنس صرف حیرت انگیز دریافتوں اور انقلاب آفریں نظریوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ عربوں کی احسان مند ہے۔ ہم جسے سائنس کہتے ہیں وہ مغرب میں حقائق اشیاء کے تجسس کی نئی اسپرٹ تجربہ، تحقیق اور تجرباتی تحقیق کے نئے طریقوں اور مشاہدات کی ان نئی عادتوں کے نتیجے میں ابھری جن سے یونانی ناواقف تھے اور عربوں نے یورپ کی سرزمین میں اس اسپرٹ اور ان طریقوں سے دنیا کو متعارف کرایا"
ڈاکٹر لوسین لیبارک اپنی تالیف ECCLESSIATICAL کے مصنف کہتے ہیں۔
" اس امر کا اعتراف کرنا چاہئے کہ طبیعات۔ نجومیات۔ فلسفہ۔ ریاضیات۔ ہو یا کیمیا ر وہ تمام علوم جو دسویں صدی

سے یورپ میں پھیلے، اصل میں عرب علماء سے حاصل کئے گئے تھے :

مشہور و معروف اہل قلم جارج سارٹن فضلائے اسلام کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"سب سے زیادہ گراں قدر سب سے زیادہ گراں قدر، سب سے زیادہ اوریجنل اور سب سے بڑھ کر منفرد کتابیں عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارہویں صدی کے اختتام تک بنی نوع آدم کی سائنسی اور ترقی پسند زبان تھی اس دور میں اگر کوئی شخص علوم متداولہ سے بہرہ ور ہونا چاہتا تھا تو اسے عربی ہی پڑھنی پڑتی تھی۔ یہاں ان چند درخشندہ ہستیوں کے نام کا ذکر کافی ہے۔ مغرب میں جن کے معاصر ناپید ہیں۔

جابر بن حیان[1]۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی[2]۔ الفرغانی[3]۔ زکریا الرازی[4]۔ ثابت بن قرۃ[5]۔ البطانی[6]۔ ابونصر فارابی[7]۔ ابوریحان[8] محمد البیرونی۔ ابن یونس الصقلی[9]۔ محمد الکرخی[10]۔ ابن الہیثم[11]۔ عمر خیام[12]۔ ابوالقاسم الزہراوی[13]۔ علی بن عباس[14]۔ حسین بن ابو علی سینا[15]۔ المسعودی[16]۔ ابن خلدون[17]۔ ابو علی انسا عاتی[18] اور ضیاء ابن بیطار[19]

اگر کوئی کہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں قحط الرجال تھا تو مندرجہ بالا نام سے جو ۷۵۰ سے لے کر ۱۱۰۰ء کے درمیان ہو گزرے ہیں۔

اقتباسات مذکورہ کے اندراج کے ساتھ ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس تحریر کا مقصد نہ اسلاف پرستی ہے اور نہ پدرم سلطان بود جتانا ہے اس لئے کہ مشہور عربی مقولہ ہے

بجدٍ لا بجد کلّ مجد وماجدٌ بلا مجدٍ بجدٍّ

(ہر بزرگی اپنی ہی کوشش سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ آباؤ اجداد کا نام لینے سے اور آباء و اجداد کا نام لینے) سے اور آباء و اجداد کا نام لینا بھی انہی کو زیب دیتا ہے جن میں خود کوئی بزرگی ہو۔

اسلاف و اکابر کا ذکر محض ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ حکمت جدیدہ کا تذکرہ اصحاب کبار کے علمی مجاہدات کا ذکر کئے بغیر ممکن ہی نہیں۔

بعض اصحاب جنہیں اسلاف کی ہر بات میں برائی نظر آتی ہے اور افرنگ کی ہر بات میں حکمت اور جو ڈاکٹر سخاؤ کا قول نقل کرتے نہیں تھکتے کہ "اگر مسلمانوں میں اشعری و غزالی نہ ہوتے تو آج تک دنیا میں سینکڑوں گلیلو اور نیوٹن پیدا ہو چکے ہوتے۔

ایسے اصحاب کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ اشعری و غزالی کا قصور محض یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ کو الحاد اور مادہ پرستی سے بچایا ہے اور ان حضرات نے علم و فن کے ہر شعبہ کو فروغ دیا۔ مسلمان تو محض تلقین غزالی سے محرومی کے نتیجے میں پسماندہ [illegible] کہ وہ ترقی جس کا اس تدریج [illegible] بذات خود کیا کچھ ہے۔ وہ مروت ایثار و اخلاص، اخلاق و دیانت جیسے اساسی اقدار سے محروم کے سوا [illegible] میں کیا ہے حال یہ ہے کہ دنیا اس تہذیبی ترقی کے ہاتھوں زار زار ہے

نالاں ہے پابجولاں ہے۔ بقول حکیم مشرق ؎

یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت ۔۔۔ پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

مسلمانوں نے بھی اگر برق و بخارات کی دیوی کو پوجنا شروع کر دیا ہوتا تو جانے آج دنیا تاریکی کے کس غار میں ہوتی اور یہ سب کچھ کیا طاغوتی ترقی نہ ہوتی۔ تاریخ کہتی ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں مسلمانوں پر جن راستوں سے یلغار ہوئی اس کی نشاندہی ابھی باقی ہے اور اس ضمن میں مفکرین کی آراء میں خاصا اختلاف ہے۔

گلیلو اور نیوٹن بے چارے تو خود ابن الہیثم اور الخوارزمی کے خوشہ چین رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تحصیل علم اور حکمت اشیاء پر جس انداز سے قرآن حکیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے روشنی ڈالی ہے اور جس طرح علم کی فضیلت کو بیان کیا اس کا ہی اثر تھا کہ مسلمان تحصیل علم کی راہ کی ہر مشقت کو رحمت و سعادت سمجھتے تھے اور وہ ہر طرح کی مشقت برداشت کر گئے اور پہلی صدی ہجری میں تمام مشکلات پر قابو پا گئے۔ حتیٰ کہ حدود اسلامی کا ہر شہر و قریہ علم و حکمت کا سرچشمہ گہر خیز بن گیا تھا۔ صدر اول میں مسلمانوں نے انفس و آفاق تک رسائی حاصل کر لی تھی اور وہ بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا کر عصاء کلیمی کا اعجاز دکھانے کے لئے مضطرب تھے۔

اہل اسلام کی حیرت انگیز رفتار ترقی کے پس پشت، اخوت، مساوات، عقیدہ توحید۔ تدبر قرآن کا جذبہ کارفرما تھا اور مسلمان ایک طرف مطالعۂ کائنات کو تعمیل حکم ربانی سمجھتے تھے تو دوسری طرف حکمت اشیاء اور مظاہر فطرت پر غور و فکر کو تلاوت کلام الٰہی کا درجہ دیتے تھے چنانچہ اہل اسلام جامعہ نظامیہ بغداد کی تاسیس سے بہت پہلے ہی مصر و یونان کے دفاتر حکمت کے تنقید و تجزیہ کا کام شروع کر چکے تھے۔ بعہد مامونی میں "بیت الحکمت" کے قیام سے تحصیل علم کی تحریک کو عروج نصیب ہوا نہ صرف مصر و یونان بلکہ روم، ہند اور پارس کی کتابوں کے لئے بھی مترجمین کی خدمات حاصل کی گئیں اور ایک ایک کتاب کا ترجمہ کئی کئی مرتبہ، اور متفرق مترجمین کے ہاتھوں ہوا۔ اس علمی خدمت کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور بغداد فخر بلاد جہان بن گیا۔ وہیں دنیا کا سب سے پہلا شفاخانہ قائم ہوا۔ وہیں سب سے پہلے زمین کی پیمائش کی گئی۔ "عرض البلد اور طول البلد کا تصور قائم کیا گیا۔" صورۃ الارض" نامی علم جغرافیہ کی پہلی کتاب لکھی گئی۔ الغرض نئی تہذیب کی بنیادیں استوار ہوئیں ؎

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ ۔۔۔ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

عجمی نژاد منافقین نے فلاسفہ اور متکلمین کی شکل میں جب اس تحریک علمی کی دشمنی شروع کی تو عقیدہ توحید، فلسفہ ذات و صفات کا شکار ہو گیا اور قومی متاع کردار اُمت کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ باطنیہ اور معتزلہ نے فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ اس علمی تحریک کے آگے بند باندھ دیا۔ اور تفسیر و حدیث کے زیر سایہ مطالعۂ فطرت کا رخ فلسفہ و استدلال کے تابع

جہاں ارسطو و افلاطون کی حکمرانی تھی۔ اس رجعت قہقری کو کیا کہیئے کہ خرد دشمنی کو تصوف و عرفان کا نام دیا گیا۔ اس کے نتائج کا خمیازہ امت کو اٹھانا پڑا اس کی ایک جھلک محترمہ خالدہ ادیب خانم کے محاکمہ میں ملتی ہے۔

"جب تک دنیا پر متکلمین کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت خوبی سے کرتے رہے۔ مدرسہ سلیمانیہ و مدرسہ فاتح" اور مدرسہ بحریہ" اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کے مرکز تھے مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیروں کو توڑ کر سائنس کی بنیاد ڈالی تو دنیا کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ علماء کی جماعت تدریسی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں رہی یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر تیرھویں صدی میں تھا وہاں سے آگے نہیں بڑھا۔ یہ طرز خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظام تعلیم پر حاوی رہا۔

ترکی اور دیگر ممالک کے علماء کا یہ انداز جذبہ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا۔ فلسفۂ کلام خواہ عیسائیوں کا ہو خواہ مسلمانوں کا یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی تھا اور اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے جو ایک ملحد فلسفی تھا قرآن حکیم میں عالم طبعی کی تخلیق کے مسائل کا تفصیلی و تشریحی ذکر نہیں اس کی تعلیم میں بہت زیادہ اہمیت اخلاقی و معاشرتی زندگی کو دی گئی ہے۔ یہ کتاب دنیا کے لئے ایک قانون عمل لے کر آئی ہے اس میں مابعد الطبعی مسائل اور روحانی معارف بھی جہاں کہیں بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی یا اشکال نہیں اس کی بنیادی تعلیم توحید ہے اسی وجہ سے اسلام ایک سادہ اور سہل مذہب ہے اس میں تمام دوسرے مذاہب کی نسبت کہیں زیادہ گنجائش ہے کہ عالم طبعی کے نظریات کو قبول کر سکے۔ مگر یہ سادگی اور وسعت نظر جو علمی تحقیقات کے لئے اس قدر سازگار تھیں مسلمانوں میں زیادہ دن نہیں رہنے پائی۔ نویں صدی میں علماء متکلمین نے نہ صرف فقہ بلکہ الٰہیات کو بھی اصول و ضوابط کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور یوں اجتہاد و تحقیق کا دروازہ بند ہو گیا اور پھر اسلامی فلسفہ میں ارسطو کے خیالات دخیل ہو گئے بخلاف اس کے دین عیسوی میں جسے حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب نہیں بلکہ سینٹ پال کا مذہب کہنا زیادہ موزوں ہے۔ کتاب پیدائش کے اندر عالم طبعی کی مفصل تفصیل و تشریح موجود ہے۔ عیسائی دنیا اسے خدا کا کلام تسلیم کر چکی تھی۔ اس لئے ان پر فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اس تفسیر عالم کی حقانیت کو ثابت کریں اس تاویل میں مشاہدہ اور تجربہ ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا اس لئے انہیں استدلال کی مدد لینی پڑی۔ ارسطو کا دامن انہوں نے اس لئے پکڑا کہ اس کی منطق سحر انگیز تھی۔

جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، تجزیہ اور تحلیل کے ذریعہ شروع کیا تو ارباب کلیسا کے ہوش اڑ گئے۔ ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے انکشافات ہونے لگے۔ ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہے۔ چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنسدان جو عالم طبعی کے دائرہ

کے اندر تحقیق میں مصروف تھے قتل کر دئے جاتے تھے۔ سائنس و مذہب کے خوں ریز معرکوں کے بعد عیسائی کلیسا کو مصلحت شناسی سے کام لینا پڑا۔ اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر لیا۔ اس کی یونیورسٹی جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح کی تھیں۔ سائنس اور علوم جدیدہ کا مرکز بن گئیں مگر اس کے ساتھ اس نے مابعد الطبعی فلسفہ کو بھی مذہب جیسو ڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم از کم ایک حصہ پر باقی رہا۔

عثمانیوں کے آخری دور میں علماء کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی۔ انہوں نے علوم جدید کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ نئے خیالات کو اپنے قلمرو میں داخل نہیں ہونے دیا جب تک ملت اسلامی کی تعلیم کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رہی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز قریب آنے پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہو کر رہ گیا۔ ادھر دور انحطاط میں ان کی سیاسی مصروفیتوں میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مشاہدہ اور تجربہ کے جھمیلے میں پڑنے کی انہیں فرصت نہ تھی سہل نسخہ یہی تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں۔ چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو کہ تیرہویں صدی میں تھا۔

(ترکی میں مغرب و مشرق کی کش مکش)

خالدہ ادیب خانم

اسلامی دنیا کے تمام تعلیمی حلقوں پر سقوط غرناطہ و بغداد کے اثرات طاری رہے۔ نتیجۃً جمود تقلید کی حکمرانی رہی اور اجتہاد سے گریز نے علمی و فکری ماحول پر انحطاط طاری رکھا علمی تحقیق کے تنزل کا سبب یہ بھی ہوا کہ درس نظامی کے نصابی متون کی تخریج و تشریح ہوتی رہی۔ شروح و حواشی نے اصل کتاب کی جگہ لے لی۔ عالم اسلام میں تقلید جامد کے ساتھ متقدمین کی علم آموز ذوق آفریں کتابیں رفتہ رفتہ نصاب سے خارج ہوتی گئیں۔ اور ان کی جگہ متاخرین کی کتابیں داخل نصاب ہوئیں جو اپنے میں درجۂ اجتہاد نہیں رکھتی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عصری تقاضوں پر علمی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی۔ ہر چند کہ ملت کے انحطاط کے اسباب عوامل کئی ہیں لیکن سیادت و فکری قیادت کی محرومی کو سب سے بڑا سمجھنا چاہئے اور عہد جدید کے مسائل کو حل کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے نظام تعلیم کی نئی شیرازہ بندی کرنی چاہئے۔ یہی زندہ قوموں کا شعار ہے اور ہمارے اسلاف اسی اصول پر کاربند تھے۔ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوا کرتے ہیں چنانچہ عہد حاضر کا بھی تقاضا ہے کہ مسلمان "سبزہ بیگانہ" یعنی لارڈ میکالے کے مرتب کردہ نصاب تعلیم کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنی تعلیم اپنے ہاتھ میں لیں اور ملی تقاضوں کے پیش نظر اس دیرینہ دو عملی کو ختم کریں اور دو نظام تعلیم سے قوم کو نجات دلائیں۔ صرف دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی سے قومی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ اب جب کہ نفاذ شریعت کی بات کی جا رہی ہے اور نظام مصطفیٰ

باقی ص۲۵ پر

جمع و ترتیب۔ محمد اقبال قریشی۔ ہارون آباد

معارف اشرفیہ

بروایت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری قدس سرہ

اشرافِ نفس کی تعریف فرمایا ہمارے حضرت مولانا تھانوی یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ کسی چیز پر نظر کا اس طرح گڑ جانا کہ اس کے نہ ملنے پر دل میں ناگواری پیدا ہو اور اگر دل راغب ہوا لیکن اس کے نہ ملنے پر کوئی ناگواری نہ ہوئی تو یہ اشرافِ نفس نہیں ہے۔

(معرفت الٰہیہ صہ ۱۰۴)

مذاقِ قلندری کی تحقیق حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ قلندر ایک خاص اصطلاح ہے۔ قلندریہ ایک طبقہ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جو ایک خاص مذاق اور مخصوص رنگِ نسبت سے مشرف ہوتا ہے جن اولیاء اللہ کو ہر وقت حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ ایک خاص کیفیت استحضاری نصیب ہوتی ہے اور ان کے سر پر نسبت کا گویا ایک پہاڑ رکھا ہوتا ہے ایسے حضرات بظاہر تکثیر نوافل اور تکثیر وظائف میں مشغول نظر نہیں آتے لیکن ان کے باطن پر کسی وقت غفلت اور ذہول طاری نہیں ہوتا ہے یہ حضرات تکثیر اوراد و وظائف سے زیادہ اس کا اہتمام رکھتے ہیں کہ قلب ایک لمحہ کو بھی حق تعالیٰ شانہ سے غافل نہ ہو اور اسی مذاق کا نام مذاقِ قلندری ہے۔ (معرفت الٰہیہ صہ ۱۱۱)

مقرب اور اُجرت دار کا فرق ایک بار میں نے حضرت مرشدیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ایک بار درود شریف پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہے کہ دس نیکیاں ملتی ہیں دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن شریف کے متعلق اس قدر فضائل وارد نہیں ہیں۔ تو عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ ایک اُجرت دار ہوتا ہے اور ایک مقرب بادشاہ ہوتا ہے مقرب کی تنخواہ تو کچھ نہیں ہوتی مگر بڑے بڑے تنخواہ دار حتیٰ کہ گورنر اور وزراء تک مقرب سے کانپتے ہیں اور اپنے اہم امور میں مقرب بادشاہ سے سفارش کراتے ہیں۔ درود شریف کے جس قدر فضائل ہیں وہ سب اجرت کے تحت وارد ہیں اور قرآن شریف کی تلاوت کا صرف ایک ثمرہ انعام قرب تمام فضائل پر فوقیت رکھتا ہے۔"

قربت اور اجرت کا فرق فرعون مردود بھی سمجھتا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا تو انہوں نے فرعون سے یہ کہا قَالُوا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

الْغٰلِبِیْنَ ۝ یعنی اگر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں غالب آ گئے تو کیا ہم کو کچھ اجر ملے گا قَالَ نَعَمْ وَاِنَّکُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ تو فرعون نے جواب دیا بے شک نہ اس وقت میرے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے چونکہ سلطان کا مقرب ہونا بہت بڑا انعام ہے اس وجہ سے فرعون نے جادوگروں کو انعام عظیم کا لالچ دیا۔ کوئی خزانہ یا سلطنت کا کوئی حصہ لکھنے کا وعدہ نہیں کیا کیونکہ یہ انعام قرب سے گھٹیا درجہ کی چیزیں تھیں اور اس وجہ سے فرعون کی آبرو اور جان اور سلطنت سب خطرے میں تھیں اس لئے اس کے ذہن میں سب سے بڑا جو انعام تھا جھٹ اس کا وعدہ کر دیا۔

(معرفت الٰہیہ صہ ۱۰۲ و صہ ۱۰۳)

موت کا استحضار ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سہ دری میں حضرتؒ کے خاص حجرہ کے سامنے ایک تختی پر یہ دو شعر بخط جلی لکھے ہوئے تھے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت   موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا   میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

(معرفت الٰہیہ صہ ۱۸۱)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اکہتر سال کی عمر میں ایک معمول سے رجوع حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق عارف تھے اور صد درجہ حق پرست تھے حضرت کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی وارد آئے تو بدوں سوال کئے خود بتائے کہ میں فلاں ہوں۔ فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گزری بِالدَّاخِلِ دَهْشَةٌ تَلَقَّوْهُ بِمَرْحَبًا (الدیلمی) یعنی نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی بدحواسی ہوتی ہے سو اس کو آؤ بھگت کے ساتھ ملا کرو، تاکہ اس کی طبیعت کھل مانوس ہو جائے اور حواس بجا ہو جائیں اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔

حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گزری جب کہ میری عمر ۷۱ سال کی ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ نے حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور غرض آمد اور اس مقام پر جو مشغلہ تھا اس کو پوچھ لیا کرتا ہوں اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ مانوس ہو جاتا ہے ۔ کیسی حق پرستی تھی کہ اپنا کیا چھٹا سب بیان فرما دیا۔ اہل حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ خلق سے نظر اٹھ جاتی ہے صرف رضا حق مقصود ہوتی ہے (معرفت الٰہیہ ۳۱۲)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم سب کو بھی اسی طرح اتباع سنت کا حریص بنائیں اور تا دم زیست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشتے رہیں آمین ؎ الٰہی کے طرز عمل پر ہوائے خدا جینا ۔ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنَا

مولانا محمد تقی امینی
ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خطاب عیدالاضحیٰ

یہ خطاب عیدالاضحیٰ کے دن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا :-

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرات! آج ہماری دوسری عید ہے۔ پہلی عید کی طرح یہ عید بھی دنیا کے تہواروں اور میلوں سے مختلف ہے۔ اس میں ایک نہایت اہم عہدنامہ پر دستخط کی تجدید و یاددہانی ہوتی ہے جس پر دستخط کے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اس عید میں جس اہم عہدنامہ پر دستخط کی تجدید و یاددہانی ہوتی ہے وہ اصول و صداقت کے مقابلہ میں جذبات و خواہشات کی قربانی کا عہدنامہ ہے۔ انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش اس کے جذبات و خواہشات کی آزمائش ہے۔ وہ سمندر کی موجوں سے نہیں گھبراتا۔ پہاڑوں کی چٹانوں سے ہراساں نہیں ہوتا۔ درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا لیکن نفس کی ایک معمولی سی خواہش اور جذبات کی ادنیٰ سی کشش کا بھی وہ مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آپ تعجب کریں گے کہ دنیا ہزار ترقی کے باوجود خواہشات و جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوئی تدبیر نہ سوچ سکی اور ہزار ایجادات کے باوجود عقل کو خواہشات پر فتحمند بنانے کے لیے کوئی مشین نہ ایجاد کرسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی عکاسی کے لیے اس نے جو آئینہ تیار کیا ہے اس میں کائنات کا عکس تو بڑی حد تک نظر آگیا لیکن انسان ہی کا صحیح عکس اس میں نہ نظر آسکا۔ انسان کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے براہیمی نظر کی ضرورت ہے جو سائنٹفک دنیا کے پاس نہیں ہے۔ ؎

براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنالیتی ہے تصویریں

عہدنامہ پر دستخط کی تجدید و یاد دہانی کا ذکر اس آیت میں ہے

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا — اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہونچتا ہے

ولکن ینالہ التقوٰی منکم[1] — نہ خون اس کے حضور جو کچھ پہونچ سکتا ہے وہ تمہارا تقویٰ (دل کی نیکی) ہے

یہ دل کی نیکی یا تقویٰ کب حاصل ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون[2] — جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو کامل نیکی کے مرتبہ کو نہ پہونچ سکو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑھ کر صحابۂ کرامؓ کو کون محبوب ہو سکتا ہے لیکن جب اصول و صداقت کے قربان ہونے کا اندیشہ نظر آیا تو انھوں نے جذبات و خواہشات کو کس طرح قربان کیا اس کی وضاحت چند مثالوں سے ہوتی ہے۔

(۱) جسد اطہر سے روح مبارک پرواز کر جانے کے بعد مسجد نبوی میں صحابۂ کرام ایک تازہ تحی آزمائش سے دوچار ہوئے حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی محبت کے جوش میں کسی طرح رسول اللہ کے وصال کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ کا وصال نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں ابوبکرؓ نے ایک طرف عشق و محبت کے تقاضہ میں کمی نہ آنے دی کہ حجرۂ مبارک میں داخل ہو کر رُخ زیبا سے چادر اُٹھائی۔ سر نیاز جھکایا بوسہ دیا اور رو رو کر فرمایا۔

بابی انت وامی طبت حیا ومیتا — میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ رہے۔

دوسری طرف مسجد میں آئے عمرؓ کو سمجھایا صحابۂ کو روکا اور اصول و صداقت کی راہ کو اس طرح واضح کیا کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اسلام زندگی و توانائی سے بھرپور نظر آنے لگا۔ چنانچہ حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قدمات ومن کان یعبد اللہ — جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ خود سے سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے

---

[1] الحج ۳۷ [2] آل عمران ۹۲ [3] بخاری باب فضل ابی بکر

فانہ حی لا یموت[1] — اور جو شخص اللہ کی بندگی کرتا تھا تو بیشک اللہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں ہے۔

اور خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں اصول و صداقت کے مقابلہ میں جذبات و خواہشات کو قربان کرنے کا انداز اس طرح سمجھایا :-

لوگو۔ میں تمہارا امیر بنادیا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ سچائی امانت ہے۔ جھوٹ خیانت ہے تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے جب تک اس کی شکایت دور نہ کردوں اور قوی میرے نزدیک کمزور ہے جبتک اس سے حق نہ لے لوں[2]۔

(۲) حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں بیعت لی تھی۔

لانھم کانوا یذھبون یصلون تحتھا فخاف علیھم الفتنۃ[3] — کیونکہ لوگ جاکر اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے جس سے فتنہ کا اندیشہ تھا۔

اپنے محبوب کی طرف منسوب چیزوں سے محبت طبعی امر ہے جس کی رعایت ضروری ہے اور کبھی اس قدر عقلی بن جاتی ہے کہ ہو شمن اس کے ذریعہ قوت حاصل کرتا ہے لیکن عام حالت میں یہ محبت اگر اس حد تک تجاوز کرجائے کہ اصول وصداقت اور شرعی احکام کے مراتب نہ قائم رہ سکیں یا سیاسی بازیگر اس سے کھیلنا شروع کردیں تو یہ مستقل فتنہ بن کر ہلاکت و بربادی کا پیغام ثابت ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔

انما ھلک من کان قبلکم بھذا یتبعون آثار انبیاءھم فاتخذوھا کنائس وبیعا[4] — تم سے پہلے لوگ اس کی وجہ سے ہلاک ہوگئے کہ وہ انبیاء کی نشانیوں کے پیچھے پڑے پھر انھوں نے ان کو عبادت خانے بنا لیے۔

---

[1] بخاری باب فضل ابی بکر۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۵ باب اعتراف سعد بن عبادہ ما قالہ الصدیق فی یوم السقیفۃ [3] الاعتصام للشاطبی ج ۲ فصل قد یکون اصل العمل مشروعا ص ۹۳ [4] ایضاً

رسول اللہ کے بعد فتنۂ ارتداد (دین سے پھر جانے کا) زمانہ ختم ہو چکا تھا جس میں سندان عشق کی نمود ضروری تھی اور ابو بکرؓ یہ کہتے میں حق بجانب تھے کہ اگر رسّی کی زکوٰۃ بھی رسول اللہ کو دیتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں جہاد کروں گا۔ اب جام شریعت کی حفاظت کا زمانہ تھا جس میں جام وسندان باختن کا مظاہرہ تھا۔ اور عمرؓ درخت کو کاٹ دینے میں حق بجانب تھے کہاں معمولی رسّی کی زکوٰۃ نہ دینے پر جہاد کا اعلان اور کہاں ذات اقدسؐ سے مشرف درخت کے نیچے نماز پڑھنے پر ہلاکت وبربادی کا پیغام؟

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان ہے۔ ان دونوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنے میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس نے اصول وصداقت کی خاطر جذبات وخواہشات کو قربان کرنا سیکھا ہو۔

(۳) حضرت عمرؓ کو کوفہ کی حکومت کے لیے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو قوی امانت دار اور مسلمان ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا

خدا کی قسم میں آپ کو ایک ایسا ہی آدمی بتاتا ہوں جو قوی۔ امانت دار اور مسلمان سب کچھ ہے اور بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔

پوچھا وہ کون ہے۔ جواب دیا عبداللہ آپ کے صاحب زادے ہیں۔

یہ سن کر فرمایا قاتلک اللہ[1] (اللہ تمھیں محروم کرے یہ تم نے کیسی بات کہدی؟

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے   یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

(۴) یرموک کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے اور ابو عبیدہؓ بن جراح ان کے ماتحت افسر تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے ابو عبیدہؓ بن جراح کو سپہ سالار مقرر کیا اور خالدؓ کو ان کے ماتحت کر دیا، یہ فرمان عین اس وقت پہونچا جبکہ لڑائی آخری مرحلہ میں پہونچکر فتح ہونے والی تھی ابو عبیدہؓ فرمان خلافت کے مطابق فوراً سپہ سالاری کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر فتح کا کریڈٹ خود حاصل کر سکتے تھے لیکن انھوں نے اس فرمان کو چھپایا اور خالدؓ

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الاربعون

کی ماتحتی میں بدستور اپنے کو باقی رکھا یہاں تک کہ فتح کے آثار نمایاں ہو گئے۔
جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا اور موقع پا کر فتح کا کریڈٹ خود کیوں نہ حاصل کر لیا تو جذبات و خواہشات کی قربانی دینے والے نے جواب دیا۔

ماسلطان الدنیا اسرید والالدنیا اعمل	میں دنیا کی بڑائی نہیں چاہتا اور نہ دنیا کے لیے عمل کرتا ہوں۔

ادھر یرموک کی فتح کے بعد جب یہ خبر پھیلی کہ اس عظیم جنگ کے فاتح کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا گیا تو لوگوں کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی اور بعض نے خالدؓ کو ابھارا کہ آپ خلیفہ کا حکم نہ مانیں آپ کے ساتھ کافی لوگ ہیں مگر خالد نے اس قسم کی ہر بات ماننے سے انکار کر دیا اور برضا و رغبت ابو عبیدہ بن جراح کی ماتحتی میں ایک معمولی فوجی بن کر اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف لڑتے رہے۔ اس وقت انھوں نے جو جملہ کہا وہ تاریخ نے ان الفاظ میں محفوظ رکھا۔

انالااقاتل فی سبیل عمر ولکن فی سبیل رب عمر	میں عمر کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔

اوپر کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ہماری ملّی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے یہ سب کچھ جو آپ نے دیکھا وہ اصول و صداقت کے مقابلہ میں جذبات و خواہشات کی قربانی کا نتیجہ تھا جس کا عہد ہر مسلمان سے لیا جاتا ہے اور جس پر دستخط کی تجدید و یاد دہانی ہر سال آج کی ہماری عید میں ہوتی رہتی ہے۔ قربانی کے وقت چھری جو جانور کی گردن پر چلتی ہے وہ دراصل نفس کی گردن پر چلائی جاتی ہے جس سے جذبات و خواہشات کی قربانی مقصود ہوتی ہے۔ اسی بناء پر قرآن میں ہے۔
کہ اللہ کو نہ اس کا گوشت پہونچتا ہے اور نہ خون پہونچتا ہے بلکہ اس کے پاس دل کی بات پہونچتی ہے۔
نفس کی گردن پر چھری چلانے کے بعد پھر دوست کوچہ میں پہونچنے کے لیے زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑتا۔

یک قدم راہ راست و دیگر راہ نیست	یک قدم بر نفس نہ دیگر قدم بر کوئے دوست

علم و فن کی ترقی کے اس دور میں قربانی کی حقیقت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور اس پر طرح طرح سے اعتراض کرتے ہیں ان کی خدمت میں بس اتنی گذارش ہے ؎

اے کمال سخن کے دیوانو	ماورائے سخن بھی ہے ایک بات

ارشادات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

ترتیب: خواجہ عبدالرشید صاحب بھلن شریف (ضلع مظفرگڑھ)

ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو فرمایا: تَصَدَّقْنَ ۔ تم صدقہ کیا کرو ۔ وَاَکْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ ۔ اور تم کثرت سے استغفار کیا کرو ۔ (اپنے گناہوں سے معافی طلب کرتی رہو) کیونکہ میں نے تم کو اہلِ دوزخ میں زیادہ تعداد میں دیکھا ہے ۔

ان میں سے ایک با وقار اور سمجھ دار عورت نے (ہمت وجسارت کر کے) دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہمیں کیا ہوا ہے ۔ کہ ہم اہلِ جہنم میں سے زیادہ تعداد میں ہوں گی ۔؟ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ ۔ تم لعنت (و ملامت) زیادہ کرتی ہو ۔ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ ۔ اور خاوند کی ناشکری اور اس کے حکم کی خلاف ورزی زیادہ کرتی ہو ۔" (تجرید صحیح مسلم)

(ف) مستورات کو چاہیئے کہ اوّل الذکر دو امور بجالاتی رہیں ۔ اور مؤخر الذکر دو باتوں سے بچتی رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو ۔ اور دوزخ سے بچاؤ ہو سکے ۔

صدقہ: اوّل ہدایت میں صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ ایک دوسری حدیث میں یہ نصیحت بھی فرمائی گئی ہے کہ ۔ "اے عورتو! صدقہ کیا کرو ۔ خواہ تم کو اپنے زیورات ہی کیوں نہ دینے پڑیں ۔ (ایضاً)

مستورات کو اکثر زیورات کا شوق بہت ہوتا ہے ۔ اس ضمن میں انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب ان کے پاس بقدر نصاب مال ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی فرض ہے ۔ حضرت امام اعظمؒ نے عورتوں کے زیوروں کی زکوٰۃ دینے کا بھی حکم فرمایا ہے ۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ نفلی صدقات اور خیرات سے قبل فریضہ زکوٰۃ ادا کرتی رہیں ۔ اس فریضہ کے بجالانے کے بعد نفلی صدقات وخیرات بھی کرتی رہیں ۔ صدقات اور خیرات جہنم کی آگ سے بچانے والا عمل ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "آگ سے بچو ۔ اگرچہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے (جہنم کی) آگ سے بچا سکو ۔ (ایضاً) فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد نقدی میں بہت

خیرات روزانہ کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں محتاجوں، مسکینوں، حاجتمندوں اور غریب رشتہ داروں کو دوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو اور زیادہ مال عطا فرمائے گا۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا ابْنَ آدَمَ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ۔ (ایضاً) اے ابن آدم! تو خرچ کرتا رہ، میں تجھ پر خرچ کرتا رہوں گا
اللہ تعالیٰ کے سب وعدے سچے ہیں۔ ان پر پختہ یقین رکھیں۔

استغفار دوسری نصیحت اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ استغفار بکثرت کی جائے۔ اس کے لئے خوشخبری ہے جس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت ہو۔ استغفار بہترین دعا ہے۔ ہر زنگ آلودہ چیز کے لئے صیقل ہے۔ اور استغفار دلوں کا صیقل ہے۔ ہر مرض کی دوا ہے اور گناہ (جو روحانی امراض ہیں ان) کی دوا استغفار ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اللہ سے استغفار اور خدا کی طرف توبہ دن میں ستّر بار سے زیادہ کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ) دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! توبہ کرو خدا سے۔ میں خدا کی طرف دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں (مشکوٰۃ)

حدیث میں وارد ہے کہ: جو شخص اپنے اوپر استغفار کو لازم قرار دے لے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ نکال دیتا ہے۔ اور ہر غم و رنج سے اسے نجات دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہاں سے اس کو گمان نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ) نیز آپ نے فرمایا: ہر شخص خطا کار ہے اور بہترین گنہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔
(حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب دفتر اوّل)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے بندے کو اس حدیث شریف کے مضمون سے مشرف فرمایا ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ (ترجمہ) گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ (یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے)

ایک بزرگ کے پاس جب کوئی شخص کسی وظیفے یا حاجت براری کے لئے دعا کے لئے حاضر ہوتا، تو آپ ہر طالب وظیفہ اور حاجتمند کو تاکید فرماتے کہ استغفار بکثرت کیا کرو۔ اور فرماتے کہ میں مشکلات کے حل کے لئے اس سے بہتر میں کوئی اور وظیفہ نہیں جانتا۔

حضرت مولانا رومؒ کیا خوب فرمایا ہے ؎

آنکہ فرزندان خاص آدمند   نوحۂ انا ظلمنا میدنند

یعنی بنی آدم میں سے جو نیک بندے ہیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہما السلام نے جب شیطان کے بہکانے سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا، تو وہ دونوں

فوراً توبہ و استغفار، گریہ و بکا میں عرصہ دراز تک مشغول رہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف۔ آیت ۲۳) (ترجمہ) بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے۔ تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

کثرت لعنت وملامت | عورتوں کے زیادہ تعداد میں جہنم میں جانے کی وجہ، ان کا بکثرت لعنت وملامت کرنا ہے، لہذا انہیں دوزخ سے بچاؤ کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور کسی کو لعنت وملامت کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کو لعنت کرے، اور وہ شخص لعنت کے لائق نہ ہو، خواہ کوئی آدمی ہو یا اور کوئی چیز، تو لعنت کرنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے۔ اور دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لعنت کرنا بُرا فعل ہے۔ خواہ جسے لعنت کی جائے وہ جانور ہو یا لباس یا اور کوئی چیز۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مومن لعنت نہیں کیا کرتا۔

ایک بار حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، ایک عورت نے اپنی اونٹنی کو لعنتی کہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو اس اونٹنی پر ہو اس کو اتار لو اور اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ اس عورت کے واسطے لعنتی ہے۔

(ف) جب یہ لعنتی ہے، تو اس پر چڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر سے اس عورت کا اسباب اتار لو، اور اس کو چھوڑ دو۔ اس کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو جھڑکی دی۔ تاکہ پھر وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ جانور پر لعنت کرنا بھی درست نہیں۔ (مشارق الانوار صفحہ ۳۴)

خاوند کی ناشکری | عورتوں کے کثرت سے دوزخ میں جانے کی ایک وجہ شوہروں کی ناشکری اور انکی خلاف ورزی ہے۔ عورتوں کو اس بدخصلت سے دور رہ کر اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر کرنا ضروری ہے۔

حدیث:۔ دنیا میں جب کوئی عورت اپنے خاوند کو تکلیف و اذیّت دیتی ہے۔ تو اس کی جنّت والی بیوی (بڑی آنکھوں والی حور) کہتی ہے کہ خدا تجھ کو برباد کرے، تو اپنے شوہر کو نہ ستا، وہ تیرا مہمان ہے جو جلدی تجھ سے جدا ہو جائے گا۔ اور ہمارے پاس (جنّت میں) آجائے گا۔ (مشکوٰۃ)

حدیث:۔ تین آدمیوں کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف جاتی ہے۔ ۱۔ بھاگا ہوا غلام، جب تک واپس آکر اپنے آپ کو اپنے مالک کے حوالے نہ کر دے۔ ۲۔ وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو ۳۔ نشہ والی چیز استعمال کرنے والا جب تک وہ ہوش میں نہ آئے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث:۔ دنیا متاع (تمام سامان زندگی) ہے۔ اور دنیا کا بہترین متاع (سامان زندگی اور سرمایہ) نیک بیوی ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

حضرت عمنہ حصینؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں کسی کام کی وجہ سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئی۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا شوہر ہے۔؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا سلوک اس کے ساتھ کیسا ہے۔؟ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے تنگ آگئی ہوں یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا کہ: اس کے ساتھ اپنے سلوک پر غور کر، کیونکہ وہ تمہارے لئے جنّت و جہنم ہے۔ (طبقات ابن سعد)

لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ شرعی اوامر و نواہی کی حدود کے اندر رہ کر اپنے شوہروں کی فرمانبرداری کریں، تاکہ جنّت کی مستحق بن سکیں اور ان کی نافرمانی اور ان کو ایذا پہنچانے سے بچیں، تاکہ جہنم سے بچاؤ ہو سکے۔ ■■

کے لئے تسلّی بخش ہیں؟ اسکولوں اور کالجوں میں جو کچھ پڑھا جا رہا ہے کیا وہ ملّی تقاضے پورا کرنے کے لئے کافی ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کو بھی اس سے اتفاق نہیں اگر ایسا ہوتا تو بحیثیت قوم اتنے پسماندہ نہ رہتے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ پورے نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے۔ اور اسکول، کالج، جامعہ اور مدارس کے امتیازات ختم کئے جائیں اور صرف دینی مدارس کے نصاب میں ترمیم پر اصرار نہ کیا جائے۔

بقیہ:- پشتو میں سیرت کی کتابیں

مؤلف نے اپنی کتاب میں بہت سارے پیغمبروں کے حالات نظم میں بیان کئے ہیں اگرچہ سند کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت صفحہ ۳۴۶ سے ۳۷۱ تک ہے۔ البتہ جنگ بدر اور جنگ احد کے حالات صفحہ ۳۲۲ سے ۴۴۳ تک ہیں۔ مصنف کے اپنے حالات صفحہ ۳۱۵ سے ۳۱۶ تک ہیں۔ مثلاً وہ سفید ڈھیری نیہ خلیل نزد پشاور یونیورسٹی میں پیدا ہوئے۔ موضع پچگئی میں سکونت اختیار کی۔ خاندان میں بعض اشخاص کے نام یہ ہیں۔ آفتاب گل۔ حجاب گل۔ مستنغان اور پیر جان۔ سفید ڈھیری میں خوند صاحب آپ کے جد امجد ہیں۔

مؤلف نے صفحہ ۳۱۷ پر بعض بزرگان دین کے نام دئے ہیں جن کے مزارات آج کل بھی مراجع خلائق ہیں۔

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب۔ لاہور

مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ

کی

لطائف قدوسی کی تاریخی اہمیت

رودولی سے ہجرت سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد رودولی میں کافروں کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ اور غیر مسلم سر بازار سؤر کا گوشت فروخت کرنے لگے ان حالات میں حضرت گنگوہی رودولی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اپنے متعلقین کے ساتھ رہائش کے لئے کسی مناسب مقام کی تلاش میں چل پڑے۔ اثنائے سفر ان کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ وہاں حضرت گنگوہی کی ملاقات عمر خان سروانی سے ہوئی۔ اس نے حضرت سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ اس کے آبائی وطن شاہ آباد میں سکونت اختیار کریں۔ حضرتؒ نے اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے شاہ آباد میں قیام پذیر ہو گئے اور ۳۷ یا ۳۸ برس وہیں رہے۔ شیخ حمید الدینؒ ان کے تمام بچے شاہ آباد میں پیدا ہوئے[۴۹]

آمد گنگوہ شریف حضرت گنگوہی شاہ آباد میں ۳۷ یا ۳۸ سال تک مقیم رہے جب بابر نے ۱۵۲۶ء میں دہلی اور آگرہ پر قبضہ کیا تو اس کے سپاہیوں نے شاہ آباد کو اس طرح تباہ کیا کہ دور دور تک سوائے ویرانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں حضرت گنگوہی شاہ آباد سے گنگوہ چلے آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے[۵۰]

نظریہ وحدت الوجود علمائے کرام نے نظریہ وحدت الوجود کی نشر و اشاعت کو روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن لودھیوں کے عہد حکومت میں ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ کئی صوفیوں نے فصوص الحکم کی شرحیں لکھ کر نظریہ وحدۃ الوجود کی خواص کے حلقے سے نکال کر عوام تک پہنچا دیا۔ حضرت گنگوہی وحدت الوجود کے اس حد تک قائل تھے کہ انہوں نے ... میں

---

۴۷ ایضاً۔ ص ۲۸۔ ۲۵

۴۸ ایضاً۔ ص ۳۴

۴۹ ایضاً۔ ص ۳۰

۵۰ ایضاً۔

کفر و اسلام کا معیار بنا لیا تھا۔ جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی مجلس میں وحدت الوجود کے موضوع پر اکثر گفتگو رہتی تھی۔ شیخ رکن الدین نے ایک مجلس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں قاضی عبدالغفور پانی پتی عرف بہولا نے "فصوص الحکم" پر ایک طویل بحث چھیڑی تھی[۵۱]

ایک روز ملتان کے عالم سیدی احمد حضرت گنگوہی سے ملنے آئے۔ حضرت نے " نور المعانی شرح قصیدہ امالی" اپنے سامنے رکھی اور مسئلہ وحدت الوجود پر بحث شروع کر دی۔ سیدی احمد متبحر عالم تھے ان پر حضرت گنگوہی کی باتیں گراں گذریں اور حضرت کے سمجھانے کے باوجود وہ وحدت الوجود کے قائل نہ ہوئے۔ حضرت بھی بھلا اسے بغیر قائل کئے کب چھوڑنے والے تھے۔ اتفاق سے ایک مدت بعد آگرہ میں ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ اس بار دونوں نے کئی ماہ اکٹھے گزارے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ہر روز دونوں بزرگوں میں مسئلہ وحدت الوجود پر بحث ہوتی۔ بالآخر حضرت گنگوہی نے اسے قائل کر ہی لیا[۵۲]

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ حضرت گنگوہی نے گنگوہ کی مسجد میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد ول نے سکر کی حالت میں وحدت الوجود پر گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کے تین بیٹے شیخ حمید الدین، شیخ احمد اور شیخ رکن الدین موجود تھے انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے کہا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم وال سے وحدت ثابت نہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دین کا دار و مدار وحدت الوجود پر ھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز وحدت الوجود پر ایمان رکھنے کی بنا پر ان (فرزندان شیخ گنگوہی) کا مواخذہ ضرت گنگوہی نے بحث شروع کی جو چاشت کی نماز تک جاری رہی۔ بحث کے اختتام پر موصوف نے یہ اندازہ نبی کرد کہ ان کے بیٹے وحدت الوجود کے منکر ہیں۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۳۴۴

ما در میان فرزندان نباشیم کہ ایشاں	ہم اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں رہیں گے
دینی و مشربی دیگر دارند و ما دینی و مشربی	کیونکہ ان کا دین اور مشرب الگ ہے اور
یں پہ دیگر داریم[۵۳]	ہمارا دین اور مشرب الگ۔

مستغار یہ کہتے ہوئے حضرت جوش کے عالم میں اٹھے۔ کسی کو ان کے روکنے کی ہمت نہ پڑی۔ موصوف آدھ کوس تک چلے بعد ازاں کسی نیاز مند نے سواری کے لئے گھوڑا پیش کیا۔ حضرت گھوڑے پر سوار ہو کر تھانیسر کی طرف چلے

۵　ایضاً۔ ۵۵

۵۲　ایضاً۔ ۵۴

۵۳　ایضاً۔ ۵۹

کو کہ ہاتھوں شیخ جلال سے بھی دریافت کریں کہ وہ کونسا مذہب اور مشرب رکھتا ہے ۔ اگر وہ ان کے مذہب پر نہیں تو پھر اس سے بھی قطع تعلق کریں گے ۔ قصبہ لکھنوتی تک پہنچتے پہنچتے پہنچتے بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اتنے میں لوگوں نے ملاحوں کو پیغام بھیجا کہ تمام کشتیاں دریا کے کنارے سے لے جائیں ۔

ان دنوں امیر شاہ گنگوہ کا داروغہ تھا ۔ وہ حضرت گنگوہی کا بڑا مخلص مرید تھا ۔ سے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا اس نے دست بستہ عرض کی کہ اگر ہمایوں کو ان کی نقل مکانی کی اطلاع مل گئی تو وہ یہی سمجھے گا کہ اس کے عمّال اور خاص طور پر داروغۂ گنگوہ نے حضرت کی بے ادبی کی ہے جس کی بنا پر حضرت گنگوہ سے ترکِ مکان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں ۔ ہمایوں کا غصہ ان غریبوں پر نازل ہوگا اور یقین ممکن ہے کہ وہ داروغہ کو مار ہی ڈالے ۔ ہمایوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے یہ بہتر ہے کہ حضرت خود ہی اسے قتل کر ڈالیں ۔ امیر شاہ کی باتیں سن کر حضرت کا جوش کم ہوا تو اس نے ان کے گھوڑے کی باگ گنگوہ کی طرف موڑ دی ۔ حضرت گنگوہ تشریف لے آئے لیکن انہوں نے اپنے بیٹوں کی اقتدا میں نماز ادا کرنا چھوڑ دی ۔ ان کے خیال میں ان کا دین اور مشرب الگ تھا ۔

جب شیخ جلال تھانیسری کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ حاضر خدمت ہوئے ۔ حضرت نے جب انہیں اپنے قریب آتے دیکھا تو فرمایا :-

ہمانجا باش و بگو کہ چہ دین داری و چہ مشرب داری	وہیں ٹھہرو اور بتاؤ کہ تم کونسا دین اور کونسا مشرب رکھتے ہو ؟

حضرت تھانیسری نے قرآن مجید کی آیات اور بزرگوں کے اقوال سنائے جو حضرت کے حسب منشا تھے ۔ حضرت گنگوہی ان سے بے حد خوش ہوئے اور انہیں اپنی آغوش میں لے لیا ۔ دو روز بعد بیٹوں کی تقصیر بھی معاف ہوئی ۔ حضرت کے تینوں بیٹوں نے وحدت الوجود کے موضوع پر رسالے لکھ کر اپنے والد بزرگوار کی خوشنودی حاصل کی ۔[۵۴]

جذب و مستی | چشتیوں کا خمیر ہی عشق کے پانی سے گوندھا گیا ہے ان کے مزاج میں عشق و جذب کی فراوانی ہے ۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ جب سید بندہ نواز گیسو دراز نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان کا جذبہ اور ذوق و شوق دیکھ کر حضرت چراغ دہلی فرمایا کرتے تھے کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے ۔[۵۵]

دہلی میں مولانا شعیب نام کے ایک خوش الحان خطیب تھے جو اپنی مسجد میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے

---

۵۴ ایضاً ۔ ص ۶۰

۵۵ محمد علی سامانی ۔ سیر محمدی ۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۳۴۷ھ ۔ ص ۱۴

ان کی مسجد میں عام طور پر حفاظ کا مجمع لگا رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین نے حضرت گنگوہی سے اس کا ذکر کیا تو موصوف ان کی مسجد میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب حضرت وہاں پہنچے تو مولانا شعیب منبر پر کھڑے تفسیر بیان کر رہے تھے۔ ان کی آواز کانوں میں پڑتے ہی حضرت گنگوہی پر مستی کا عالم طاری ہو گیا۔ مولانا شعیب خاموش ہو کر انتظار کرنے لگے کہ حضرت کی طبیعت درست ہو تو وہ اپنا بیان شروع کریں شیخ رکن الدین جانتے تھے کہ حضرت اتنی جلدی ہوش میں نہیں آئیں گے۔ اس لئے وہ انہیں سوار کرکے ان کی قیام گاہ پر لے گئے۔

جب نماز عصر کا وقت قریب ہوا تو شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کو نماز ادا کرنے کے لئے شیخ نصیر الدین کی مسجد میں لے گئے۔ وہاں درویشوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ شیخ نصیر الدین نے حضرت گنگوہی کو دیکھا تو ان پر لرزہ طاری تھا انہوں نے دریافت کیا کہ انہیں کیا مرض ہے اور اس عالم میں انہیں گھر سے باہر کیوں لے آئے ہیں؟ شیخ رکن الدین نے جواب دیا

در مسجد مولانا شعیب زخم عشق	مولانا شعیب کی مسجد میں انہیں
رسیدہ است۔ ازاں سبب	زخم عشق لگا ہے اور اسی سبب سے
بدیں طریق گشتہ اند	ان کی یہ حالت ہے۔

حاضرین یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ حضرت گنگوہی اس عالم میں وضو کرنے بیٹھے تو انہوں نے پورے ہوش کے ساتھ وضو کیا۔ حاضرین کو اس پر تعجب ہوا کہ حضرت مستی کے عالم میں بھی شریعت کا کتنا پاس کرتے ہیں [۵۶]

جن دنوں حضرت گنگوہی شاہ آباد میں مقیم تھے ان کی نشست کے لئے ان کے بیٹوں نے صحن میں ایک چھپر ڈال دیا تھا۔ ایک روز ان کے بیٹے چھپر کی مرمت کرنے لگے۔ تو حضرت کی نظر پڑ گئی انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ چھپر کو نہ چھیڑو اور اسے اسی حالت میں رہنے دو۔ ان کے بیٹے متردد ہوئے کہ حضرت انہیں چھپر کی مرمت سے کیوں روک رہے ہیں۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ گجرات سے محمود قوال ان کے ہاں پہنچ گیا۔ اس نے صحن میں قوالی شروع کی تو حضرت پر وجد طاری ہو گیا اور انہوں نے عالم وجد میں چھپر اٹھا کر گلی میں پھینک دیا۔ تب انہیں سمجھ آئی کہ حضرت گنگوہی اس روز چھپر کی مرمت کرنے سے کیوں منع فرما رہے تھے۔ [۵۷]

دہلی میں قیام کے دوران ایک روز حضرت گنگوہی شیخ عبدالصمد کی خانقاہ میں سماع سننے تشریف لے گئے دوران سماع حضرت پر وجد طاری ہو گیا اور موصوف جوش میں آکر کہنے لگے:۔

---

۵۶ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۶۱

۵۷ ایضاً۔ ص ۳۲

منصور حلاج را نادانان بردار دادند و کشتند۔ اگر من درآں وقت می بود می کشتن نمیداد [۵۸]	منصور حلاج کو نادانوں نے سولی پہ چڑھا دیا اور مار ڈالا۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو انہیں مارنے نہ دیتا۔

شاہ غلام علی دہلوی نے ایک مجلس میں حضرت گنگوہیؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے سامنے کسی نے سماع کی حرمت بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ سماع اس لئے حرام ہے کہ سماع کے دوران دل فسق کی طرف مائل ہو جاتا ہے لیکن ان کا اس وقت اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس لئے جب حرمت کا سبب ہی ختم ہو گیا تو پھر سماع کیسے حرام ہوئی؟ [۵۹]

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ ان کے والد ماجد سُکر کے عالم میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔ ایک بار قاضی فضل اللہ اور سید عبداللہ نے میاں بہوہ کے فرزند دلاور خان سے کہا کہ حضرت ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کسی تفسیر میں نہیں ملتیں [۶۰]

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ جب ان کے والد بزرگوار پر سُکر کا عالم طاری ہوتا تھا تو موصوف کے منہ سے شطحیات سننے میں آتی تھیں [۶۱]۔ ایک روز برخوردار نامی ایک گویا ملتان سے آیا۔ اُس کا پُر درد کلام سن کر حضرت گنگوہیؒ پر مستی کا عالم طاری ہو گیا اور موصوف ترنگ میں آکر فرمانے لگے۔

تراعرش دادیم و کرسی دادیم و بہشت دادیم [۶۲]

---

[۵۸] ایضاً۔ ص ۴۹

[۵۹] شاہ رؤف احمد۔ دارالمعارف۔ مطبوعہ استنبول ۱۳۹۴ھ ص ۲۶

[۶۰] رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۶۰

[۶۱] ایضاً۔ ص ۳۲۔ ۳۹۔ ۶۱۔ ۶۲

[۶۲] ایضاً۔ ص ۶۲

عبادت اور مشاغل جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ کا یہ معمول تھا کہ موصوف شب برات میں سو نفل باجماعت ادا فرماتے اور ان نفلوں میں قرآن مجید ختم کرتے۔ ان کا یہ معمول کبھی فوت نہیں ہوا[۶۳]۔ شیخ احمد اور شیخ علی، حضرت گنگوہی کے دو کم سن بیٹے تھے۔ انہوں نے شب قدر کو جاگنے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نے فرمایا۔ جاؤ جاکر سو رہو۔ تم ابھی بچے ہو۔ شب قدر کی تاب نہ لاسکوگے"[۶۴]۔

شیخ رکن الدین رقم طراز ہیں کہ ابتدائے سلوک میں ان کے والد ماجد چار سو رکعت نفل دن کے وقت اور اتنے ہی رات کے وقت ادا کرتے تھے۔ سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کا پاجامہ گھٹنوں سے اور جبہ رانوں سے جلدی جلدی پھٹ جاتے تھے[۶۵]۔

حضرت گنگوہیؒ صائم الدہر تھے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ انہوں نے چالیس برس میں یہی دیکھا کہ ان کے والد بزرگوار سال میں صرف پانچ دن افطار کرتے تھے[۶۶]۔

احتیاط کا عالم شیخ عبد القدوس شریعت کا بڑا پاس کرتے تھے اور ذبیحہ کے بارے میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ جامع ملفوظات فرماتے ہیں کہ والد ماجد بے نماز قصاب کے ذبح کردہ جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور محل شبہ سے بھی پہلو بچاتے تھے۔ ایک قصائی ان کا مرید تھا انہوں نے اسے ذبیحہ کے احکام اچھی طرح سمجھا دئے تھے اور صرف اسی کے ہاتھ سے ذبح شدہ جانور کا گوشت تناول فرماتے تھے[۶۷]۔ ایک بار دہلی میں قیام کے دوران دستر خوان پر مرغی کا سالن چنا گیا۔ حضرت نے لقمہ شوربے میں تر کرکے اٹھایا ہی تھا کہ فوراً دستر خوان پر رکھ دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ شیخ رکن الدین بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کھانا تناول نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا کہ مرغی اچھی طرح ذبح نہیں کی گئی[۶۸]۔ بے نماز رشوت خور مریدوں کے گھروں میں دعوتیں اڑانے والے پیروں کو ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے والد ماجد کنوؤں کا پانی مطلق استعمال نہیں فرماتے تھے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کنوؤں میں سطح آب پر کوڑا کرکٹ اور بعض دوسری اشیاء جو لوگ بے احتیاطی سے پھینک دیتے ہیں تیرتی نظر آتی ہیں۔ حضرت گنگوہی کو غالباً اسی سبب سے کنوئیں کے پانی کے پاک ہونے پر شبہ تھا اور وہ کنوئیں کا پانی استعمال نہیں فرماتے تھے۔ گاؤں سے کافی دور ایک تالاب تھا۔ ان کے استعمال کے لئے وہاں سے پانی لایا جاتا تھا[۶۹]۔

سادگی کا عالم حضرت گنگوہیؒ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ موصوف ہمیشہ کھدر کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔

---

[۶۳] ایضاً۔ ص ۴۲

[۶۴] ایضاً۔ ص ۴۵

[۶۵] ایضاً۔ ص ۵۱

[۶۶] ایضاً۔ ص ۶۹

حضرت لباس کے لئے نیا کپڑا خریدنے کی بجائے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں اور گلیوں سے بوسیدہ اور پرانے کپڑے اکٹھے کر لیتے اور انہیں پاک کر کے اپنے لئے لباس سلوا لیتے تھے[۶۶]

دنیاداروں کو ملنے سے احتراز | شیخ عبدالقدوسؒ دنیاداروں اور سرکاری ملازموں سے ملنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ رودولی کا داروغہ قاضی محمود تھانیسری ان کا عقیدت مند تھا۔ جب کبھی وہ ان کی زیارت کا قصد کرتا تو حضرت گنگوہی اس کی اطلاع ملتے ہی ویرانے کی طرف بھاگ جاتے۔

جامع ملفوظات اپنے والد ماجد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

تبری از اہلِ دنیا بر کمال بود۔ اختلاط بایشاں زہر قاتل میدانستند[۶۷]

دنیاداروں کو ملنے سے بڑا احتراز کرتے تھے اور ان سے ملنے کو زہر قاتل سمجھتے تھے۔

موجودہ زمانے کے چشتی مشائخ اور گدی نشین جو اعلیٰ سرکاری افسروں اور امیروں کے ساتھ تعلقات کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ انہیں بھلا حضرت گنگوہی کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

حضرت گنگوہی کے آخری ایام حیات | حضرت گنگوہی نے اپنی وفات سے تین سال قبل سکوت اختیار فرما لیا تھا۔ اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا تھا۔ ان ایام میں آپ ہر وقت عالم محویت اور بے خودی میں رہتے تھے۔ ایک روز شیخ رکن الدین اور ان کے بھائی شیخ احمد نے اس سکوت کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

بابائے من! ما دل را بذکر حق بسیار کوفتیم اکنوں تمام وجود من دریائے ذکر شدہ است۔ ہر زمان بحر فنا موج میزند و غرق میسازد و ایں عالم شہادت را از پیش ما برمیدارند و در عالمی دیگر می برند و شہود حق پیش می آرد بایں عالم آمدن نمی دہند۔

میرے بیٹے! میں نے اپنے دل کو ذکر حق میں بہت کوٹا ہے۔ اب میرا تمام وجود دریائے ذکر بن گیا ہے۔ ہر لمحے بحر فنا میں موجیں اٹھتی ہیں اور غرق کر دیتی ہیں۔ اس عالم شہادت کو میرے سامنے سے اٹھا لیتے ہیں اور دوسرے عالم میں پہنچا دیتے ہیں جہاں مشاہدہ حق دیکھنے میں آتا ہے اور وہ اس عالم میں آنے سے روکتا ہے۔

---

۶۶ ایضاً ص ۱۵

۶۷ ایضاً ص ۵۰

۶۸ ایضاً۔ ص ۱۵

۶۹ ایضاً۔ ص ۱۶

۷۰ ایضاً۔ ص ۱۸ - ۱۹

ایک دوسری مجلس میں انہوں نے فرمایا:۔

موجہا دریا فنا ساعۃً فساعۃً می آیند بہوش | دریائے فنا کی موجیں لمحہ بہ لمحہ آتی ہیں۔ وہ
آمدن نمے۔ سبند۔ ۳۲ | ہوش میں نہیں آنے دیتیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا وصال | حضرت گنگوہی نے ۲۳ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو بروز منگل صبح چاشت کے وقت تحیۃ الوضو کے نفل ادا کرتے ہوئے انتقال فرمایا۔ ۳۳ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ان کا سالِ وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے جو ابوالفضل کے عقائد کی طرح صحیح نہیں ۳۴

رحلۃ الشتاء والصیف | لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی گاہ گاہے سفر پر نکلتے تھے۔ ایک بار موصوف نے پاک پٹن اور ملتان کا سفر حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کے مزارات کی زیارت کی غرض سے کیا ۳۵۔ اسی طرح ان کے سفر آگرہ کا ذکر بھی ملفوظات میں آیا ہے ۳۶ جن دنوں شیخ رکن الدین دہلی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان دنوں حضرت گنگوہی کا قیام بھی دہلی میں تھا ۳۷ ان دنوں ان کا زیادہ وقت مشائخ کے مزاروں کی زیارت میں گزرتا تھا ۳۸ بابر اور ابراہیم کے درمیان جب پانی پت کے تاریخی میدان میں جنگ ہوئی تو حضرت گنگوہی بھی افغان لشکر میں موجود تھے ۳۹

تصوف کا زوال | مملوک خلجی اور تغلق سلاطین کے عہد میں جیسے پائے کے اولیاء اللہ برصغیر میں موجود تھے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ سیدوں اور لودھیوں کے عہد میں برصغیر میں تصوف کا زوال شروع ہوا۔ اس زمانے میں برصغیر کے شہروں اور قصبوں میں بے شمار رنگ دھڑنگ مجذوب اور بے شرع صوفی نظر آتے تھے۔ جس معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہوں اسے کسی طرح بھی صحت مند معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کئی نامور صوفی۔ جن میں حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ سید نجم الدینؒ کے مرید شیخ حسین قلندر بھی شامل تھے نماز نہیں پڑھتے تھے ۴۰ شیخ رکن الدین تصوف کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مداری سلسلہ جو حضرت بدیع الدین مدارؒ کی طرف منسوب ہے اس زمانے میں خاصا بدنام ہو چکا تھا ۴۱

جامع ملفوظات اپنے زمانے کے صوفیوں کے مبلغ علم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

دریں عہد کہ درویشاں اند اکثر جہال اند۔ بر | اس عہد میں جتنے درویش ہیں ان کی اکثریت
گفتۂ ایشاں اعتماد نمی افتد۔ و چوں چیزے | جاہل ہے ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا۔
مشکل در علم معرفت بہ پرسیدہ مے شود | جب معرفت کا کوئی مشکل مسئلہ ان سے پوچھا

---

۳۳ ایضاً۔ ص ۶۸ ۳۴ ایضاً۔ ص ۷۰

۳۵ ابوالفضل۔ آئین اکبری۔ مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ ج ۲ ص ۲۱۴ ۳۶ رکن الدین۔ لطائف قدوسی۔ ص ۳۹

۳۶ ایضاً۔ ص ۵۴

پرسش مارا فہم نمی کنند و جواب شافی نمے دہند[۵۲]	جاتا ہے تو وہ ہمارے سوال کو ہی نہیں سمجھ سکتے اور ان کے جواب سے تشفی نہیں ہوتی۔

یہ تو تھی ہمایوں کے آخری عہد حکومت کی بات۔ اب ذرا اکبر کے عہد کے صوفیوں اور سجادہ نشینوں کا ذکر شیخ اخوند درویزہ کی زبانی سنتے جائیے :۔

خصوصاً دریں زمانۂ فساد کہ اکثر مردم صورت شیطاں سیرت بر سجادۂ پدر و پدر کلاں خود نشستہ اند[۵۳]	خاص طور پر اس زمانۂ فساد میں اکثر انسان صورت و سیرت شیطان سیرت لوگ اپنے باپ اور دادا کی مسندوں پر براجمان ہیں۔

شیخ رکن الدین اور اخوند درویزہ نے اس زمانے میں تصوّف کے حلقوں میں قحط الرجال کا ذکر کیا ہے۔ اب ہمارے زمانے میں تو پڑھے لکھے صوفی۔ النادر کالمعدوم کے زمرے میں آتے ہیں۔

لودھی عہد میں مجاذیب کی کثرت

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں وہ رودولی میں قیام پذیر تھے وہاں کئی ننگ دھڑنگ "صاحب کرامت" مجذوب گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے یونس دیوانہ نامی ایک ایسے ہی صاحب کرامت "مجذوب سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ حضرت گنگوہی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ سر راہ شراب پیا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے اسے شارع عام پر شراب پیتے دیکھا تو اس خیال سے کہ اس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے، انہوں نے راستہ بدلنا چاہا۔ یونس دیوانے نے انہیں کنی کترا کر نکلتے ہوئے دیکھا تو جام بکف ان کے پیچھے بھاگا۔ اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا :۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ انہوں نے دیوانے کے اصرار پر جام نے کر لبوں سے لگا لیا اور چند قطرے ان کے حلق میں چلے گئے۔ لیکن ان کا ذائقہ شراب جیسا نہ تھا ان قطروں کے حلق سے نیچے اترتے ہی حضرت گنگوہی پر۔ حالات و کمالات انوار و اسرار بسیار۔ ظاہر ہوئے[۵۴]

---

[۴۸] ایضاً۔ ص ۴۲ [۴۹] ایضاً۔ ص ۴۱

[۴۹] ایضاً۔ ص ۶۳، ۶۴ [۵۰] ایضاً۔ ص ۲۲، ۲۴ [۵۱] ایضاً ص ۶

[۵۲] ایضاً۔ ص ۵۵ [۵۳] اخوند درویزہ، ارشاد الطالبین۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۸ء ص ۲۹۹

اس واقعہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ لودھیوں کے عہدِ حکومت میں احتساب کمزور ہو گیا تھا اور لوگ سرِ عام شراب پینے لگے تھے اور انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ ثانیاً یہ کہ شراب عام دستیاب تھی اور ردولی جیسے علمی اور روحانی مرکز میں بآسانی مل جاتی تھی اور لوگ سڑکوں پر چل پھر کر پیتے نظر آتے تھے۔

ردولی میں قیام کے دوران میں حضرت گنگوہی کی وہاں کے مجاذیب کے ساتھ اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ان صاحب کرامت " مجذوبوں میں سے ایک نامن دیوانہ بھی تھا وہ فارسی اور ہندوی زبانیں جانتا تھا۔ وہ کبھی کبھی خلوت میں حضرت گنگوہی سے ملتا تو فرزانہ بن جاتا لیکن دوسروں کے سامنے ہمیشہ دیوانگی کی باتیں کرتا تھا[۵۵]۔ اسی طرح ردولی کے ایک دیوانے بھیکا عرف پہیکا نے حضرت گنگوہی کو کمال حاصل کرنے کی بشارت دی تھی[۵۶]۔

حضرت گنگوہی جب ملتان اور پاک پتن کے سفر پر نکلے تو دیپالپور میں ان کی ملاقات ابراہیم مجذوب کے ساتھ ہوئی۔ اس کا رویہ علماء کے ساتھ بڑا سخت تھا لیکن جب حضرت اس سے ملنے گئے تو اس نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کے قدموں پر گر پڑا۔ رخصت کے وقت حضرت نے اس سے دعا کی التجا کی تو اس نے کہا کہ وہ خود ان کی دعا کا محتاج ہے[۵۷]۔

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد خلل

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد جب سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو مشرقی ہندوستان میں ابتری پھیل گئی۔ ان حالات میں غیر مسلموں نے قوت فراہم کر لی اور بیشتر شہروں اور قصبوں میں ان کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ رُدَولی جیسے قدیم روحانی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مرکز میں ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ وہ شعائرِ اسلام مٹانے پر تُل گئے۔ بازاروں میں سؤر کا گوشت سرِعام بکنے لگا۔ ان حالات میں حضرت گنگوہی ردولی کی سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ شیخ رکن الدین کی پیدائش سے ایک سال پہلے ۸۹۶ھ میں پیش آیا[۵۸]۔

چشتی بزرگوں کے مسلک کے برعکس حضرت گنگوہی نے اپنے ہم عصر سلاطین کے ساتھ روابط قائم رکھے۔ آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سلطان وقت کو۔ ظل اللہ فی الارض۔ سمجھتے تھے۔ اور اُسے "اولی الامر" تسلیم کرتے تھے۔ سکندر لودھی کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ سلطان کے نام ایک خط میں موصوف اسے یاد دلاتے ہیں کہ اگر وہ ایک گھڑی بیٹھ کر عدل کرے تو یہ ایک گھڑی دوسروں کی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ سکندر لودھی کے نام ایک خط میں حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سلطانِ عادل کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے[۵۹]۔

سلطان سکندر لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی بھی حضرت کا قدردان رہا۔ جب وہ

---

۵۴ ایضاً ص ۹ ۵۵ ایضاً ۵۶ ایضاً ۵۷ ایضاً ص ۳۹

۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں بابر کے خلاف لڑنے کے لئے نکلا تو اس نے "برکت" کے لئے حضرت گنگوہی کو اپنے لشکر میں بلالیا تھا۔[۹۱]

بابر کی آمد | بابر کے برصغیر پر حملہ سے ایک سال قبل حضرت گنگوہی کا ایک خاص مرید دتو سروانی بدایوں میں مقیم تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ مغرب کی سمت سے تیز و تند ہوا آرہی ہے۔ اور اس کے ساتھ غبار اڑ رہا ہے۔ فضا میں تاریکی پھیل گئی درخت اور مکان گرنے لگے۔ ہوا ٹوٹے ہوئے درختوں کے پتوں اور مکانوں کے ملبہ کو مشرق کی سمت اڑا لے گئی۔ اس نے حضرت گنگوہی سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے جو باد قہر دیکھی ہے وہ افغانوں کے نفس کی شامت ہے اُن کی صفیں ٹوٹ جائیں گی اور یہاں ترکوں کی بساط بچھ جائے گی۔ اس خواب کے ایک

سال بعد بابر نے پانی پت کے تاریخی میدان میں ابراہیم کو شکست دی۔ افغانوں نے اپنی صف لپیٹ لی اور ترکوں نے اس کی جگہ اپنی بساط بچھالی ہے۔[۹۲]

اس خواب سے اور اس طرح کے دوسرے خوابوں سے جو حضرت گنگوہی کے رشتہ داروں اور مریدوں نے بابر کی آمد سے قبل دیکھے تھے، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کے ہاتھوں افغانوں پر جو تباہی آئی۔ وہ اُن کی شامتِ اعمال کا نتیجہ تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر کے مذہبی حلقوں کی ہمدردیاں مغلوں کی بجائے افغانوں کے ساتھ تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ افغانوں کی حرکتوں سے بھی نالاں تھے۔

۸۸۔ ایضاً۔ ص ۳۱

۸۹۔ عبدالقدوس گنگوہیؒ۔ مکتوبات قدوسیہ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔ مکتوب نمبر ۳۴۔ ص ۴۴ - ۴۵

۹۰۔ ایضاً۔ "النظر الی وجہ السلطان العادل عبادۃ"

۹۱۔ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۶۳، ۶۴

پشتو میں سیرت کی کتابیں

قسط ۴

جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
پروفیسر اسلامیہ پشاور یونیورسٹی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

زیرِ نظر کتاب علامہ شبلی کی کتاب کا پشتو ترجمہ ہے۔ ترجمہ نگار مولانا محمد اسماعیل ہے۔ کتاب خیبر میل پریس پشاور سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

اس کی تمہید مولانا عبدالقادر مرحوم نے لکھی ہے۔ لیکن یہ وہی تمہید ہے جو انہوں نے عبدالکریم مظلوم کی کتاب "آخری پیغمبرؐ کے لئے لکھی تھی اس لئے اس پر تبصرہ وہاں ملاحظہ فرمائیے گا۔ دوسری تمہید سید رسول رسا نے لکھی ہے جو ۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

رسا صاحب اپنی تمہید میں فرماتے ہیں:۔

پشتون محب دین اور پکے مسلمان ہیں اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پشتو ادب کا اکثر حصہ مذہبی کتابوں پر مشتمل ہے۔

مسلمانوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ہر زمانہ اور ہر دور میں لازمی رہا ہے اور آج کل بھی اگر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بغور مطالعہ کریں اور ان کے قول و فعل میں جو تضاد ہے وہ ختم ہو جائے تو یہ اپنے کھوئے ہوئے قار کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں اور دین و دنیا دونوں میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں توحید کے پیغام سے بھرا پڑا ہے اور توحید کا عملی پہلو آپ کی سیرت پاک ہے۔ عارفوں کے نزدیک توحید صرف ایک خدا کو ماننا نہیں ہے بلکہ اس ایک اللہ کی صفات کو بھی اپنے آپ میں پیدا کرنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر خدا تھے۔ بشری تقاضوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات خدا واحد کے اسماء حسنٰی کی جلالی و جمالی شان کا مظہر تھی۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رانی فقد رای الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے گویا خدا کو دیکھا (اس کا ترجمہ تو صحیح یہ ہوگا جس نے مجھے دیکھا اس نے گویا حقیقت میں مجھے دیکھا)

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی روحانی اور اخلاقی زندگی کا اونچا نصب العین یعنی توحید ربانی قولاً و فعلاً اپنائیں مگر بدقسمتی سے ہم اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں لیکن اسلام کا عملی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ زبان سے تو ہم اللہ، قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ لیکن اپنی عملی زندگی اسلامی احکام کے مطابق گزارنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چاہئے کہ ہم اپنی شخصیت اسلامی اقدار و اخلاق کی برکت سے اس قدر اونچی بنالیں کہ بقول اقبال ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی اسلامی اخلاق کا ایک عملی نمونہ بنائے۔ مثلاً ذکر، فکر، توکل، صبر، تحمل، قناعت حکمت، حیا، علم، محنت، کسب حلال، سخاوت، عفو، عزت نفس، خدمت خلق، شجاعت، انصاف، ہمسایوں اور خویش و اقارب کے حقوق حتیٰ کہ نیک کردار، نیک گفتار اور نیک پندار جیسے اعلیٰ اور ارفع اخلاق اپنائے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل کے مسلمان کی عبادت صرف رسمی ہے وہ مذہب مانتا ہے لیکن دین نہیں مانتا۔

ہم اسلام کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں لیکن اسلامی اخلاق کے مطابق زندگی گزارنے کو تیار نہیں۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ لیکن عملاً ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دشمن ہے اور یہ ذہنیت ہم میں پروان کیسے چڑھی؟ یہ حقیقت میں مادی اور غیر اسلامی زندگی کا تحفہ ہے مسلمانوں نے جب اخلاقی و روحانی زندگی کے مقابلہ میں مادی زندگی کو ترجیح دی تو وہ دولت پرست۔ جائیداد پرست۔ جاہ پرست اور عیش پرست بن گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ان میں شائبہ تک نہ رہا۔ اس لئے ان پر زندگی کی جگہ جمود طاری ہوا۔ یہ بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ اور آپس میں دست بہ گریبان ہوئے۔ فروعی مسائل پر ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے کو کافر ٹھہراتا ہے اور دوسرا تیسرے کو۔ نتیجۃً مسلمانوں کے اندر دن بدن نفاق اور دشمنی بڑھتی رہی اور ملت اسلامیہ کمزور ہوتی جاتی رہی۔

آج کل دنیا بالعموم اور عالم اسلام بالخصوص روحانی بحران کا شکار ہے۔ سارا جہاں مادیت کے طوفان کی لپیٹ میں ہے اور اجتماعی طور پر انسانوں کے تحت الشعور میں زبردست اضطراب اور پریشانی ہے۔ بنی نوع انسان صحیح راستہ کھو چکا ہے اور اپنے آپ کو زندہ رہنے میں محسوس کر رہا ہے۔ مشرق اور مغرب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ نظام نظام سے لڑ رہا ہے۔ اور عقیدہ عقیدے سے۔ قوم قوم سے اور فرد فرد سے۔ الغرض دنیا میں امن و خوشحالی اور روحانی تسکین مفقود ہیں۔ ان پریشان کن حالات میں مسلمانوں کے سامنے صرف اور صرف ایک راستہ ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی، اخلاقی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کیسے گزری؟

ہمارے قول وفعل میں جو تضاد ہے اسے دور کریں۔ تب کہیں ہم دنیا کو اس بے چینی اور غیر یقینی حالات سے نکالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

رسا صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی نجات اسلامی نظام معاش میں ہے۔ اور صرف اسلام کی سیاست بمعہ دین صحیح اور صالح ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ مشرق ومغرب کے سارے نظام خواہ سیاسی ہوں یا معاشی انسان کو ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے۔

بنی نوع انسان کو خوشحالی اگر کوئی چیز دے سکتی ہے تو اسلامی توحید ہے اگر اس کو نظر انداز کیا جاتا رہا تو انسان تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ دنیا کے سامنے توحید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سوا اور کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ یہی دو چیزیں بنی نوع انسان کو ایک ہی مرکز پر جمع کر سکتی ہیں اور اطمینان قلب بخش سکتی ہیں۔ اس اونچے نصب العین کے حصول کے لئے ملت اسلامیہ کو حرکت میں آنا چاہئے۔ اور اپنی انفرادی اور اجتماعی سیرت کی تعمیر مندرجہ بالا اصول کو بنیاد بنا کر کریں اور اپنے اعمال سے دنیا کو دکھا دیں کہ بنی نوع انسان کی نجات وخوشحالی کے لئے صرف اور صرف یہی راستہ ہے۔

سیرت پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی اشاعت اور حفاظت کے لئے جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم اور جہاد باللسان مسلمان کا ایک مقدس فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں ملت اسلامیہ کی کامیابی کا راز مضمر ہے بلکہ یہ بنی نوع انسان کی خدمت اور انسانی اقدار کے پھیلانے کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اگر مسلمان یہ ذمہ داری قبول نہ کریں تو یہ اسلام سے آنکھیں چھپانے کے مترادف ہوگا۔

آخر میں رسا صاحب دعا کرتے ہیں کہ خدائے ذوالجلال مترجم کو اس کار خیر کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

زیر نظر کتاب علامہ شبلی کی سیرۃ النبی کا پشتو ترجمہ ہے۔ ترجمہ نگار عبدالکریم مظلوم ہے۔ یہ امپائر الیکٹرک پریس پشاور شہر سے شائع ہوئی ہے۔ تاریخ طباعت نامعلوم ہے۔ اس کی تمہید مولانا عبدالقادر مرحوم نے لکھی ہے۔ مولانا مرحوم پہلے اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور یونیورسٹی کے پرنسپل تھے۔ بعد میں پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی کے ڈائرکٹر بنے۔ ہم مولانا مرحوم کی تمہید کو موضوع بحث بنا رہے ہیں اس لئے کہ باقی ماندہ حصہ ترجمہ ہے مؤلف کی اپنی تخلیق نہیں ہے۔

مولانا صاحب اپنی تمہید میں فرماتے ہیں:۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس کے لانے والے خدا کے ایک برگزیدہ اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے پشتون بھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں بہت ہی تھوڑا جانتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پشتو میں سیرت کی کتابیں کما حقہٗ نہیں لکھی گئیں۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک مثالی نمونہ زندگی موجود ہے) اور دوسری طرف صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (مجھے اللہ تعالیٰ نے اخلاق کا ایک مکمل نمونہ قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے) تو کیا یہ ہماری بدقسمتی نہیں ہے کہ آپ کی سیرت کے بارے میں ہمارے بھائیوں کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے اور جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ناواقف ہیں تو کیا آخرت میں ہماری نجات آپ کے نقشِ قدم پر چلے بغیر ممکن ہے؟

مولانا صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔ عقائد و عبادات کے بعد اسلامی تعلیم کا ایک ضروری جزو اخلاق ہے۔ ہر ایک انسان کا دوسرے انسان پر حق ہے۔ اور اس کا ادا کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ والدین۔ بال بچے۔ خویش و اقارب۔ دوست واحباء گاؤں، ملک، قوم اور تمام انسانیت کے حقوق کی ادائیگی فرض منصبی میں شامل ہے انسان کیا بلکہ حیوانات کا بھی ہم پر حق ہے۔

دنیا میں خوشحالی اور امن وامان اچھے تعلقات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان اچھے اخلاق کی کمی کی وجہ سے مختلف حکومتیں قوانین وضع کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اور اگر سارے لوگ اپنے اخلاقی فرائض خود بخود پورا کریں تو دنیاوی قوانین بنانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دین ایک ایسی چیز ہے جو اپنے ماننے والوں کے سامنے اخلاق کا ایک ایسا نظام پیش کرتا ہے کہ اس پر چل کر گمراہی کا خطرہ بالکل باقی نہیں رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی تعلیمات میں اخلاق کو ایک اہم مقام دیا ہے اور اخلاقیات کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بذاتِ خود اچھے اخلاق کے ایک مثالی نمونہ تھے۔ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔

انک لعلی خلق عظیم (آپ اونچے اخلاق کے مالک ہیں)

اخلاقیات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جس وقت حضرت جعفر طیار نجاشی کے دربار میں بیان دینے لگے تو اخلاقیات پر زیادہ زور دیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اے بادشاہ سلامت! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ برے کام کرتے تھے۔ پڑوسیوں کو تنگ کرتے تھے۔ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ زور آور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ اس وقت ہمارے درمیان

ایک آدمی پیدا ہوا۔ انہوں نے فرمایا: پتھروں کی عبادت چھوڑ دو۔ سچ بولو۔ ایک دوسرے کا خون مت بہاؤ۔ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ پڑوسیوں کا آرام کا مقدور بھر خیال رکھو۔ اور پاک عورتوں پر جھوٹے الزامات مت لگاؤ۔

ابوسفیان کافر ہی تھا۔ لیکن جب قیصر روم کے دربار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان دینے لگا۔ تو کہنے لگا:۔ وہ فرماتے ہیں پاک دامن رہو۔ سچ بولو۔ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ اخلاقیات کی اہمیت کا اندازہ تو اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام عبادات کو اخلاق سیکھنے کا ذریعہ ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ روزہ پرہیزگاری اور ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ زکوٰۃ انسانی ہمدردی اور حج اخلاقی اصلاح اور ترقی کے لئے موثر ذرائع ٹھہرائے گئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اخلاق حسنہ ایمان اور مومن کی علامت ہیں۔

مثلاً:۔ سورۂ مومنین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون ہ والذین هم عن اللغو معرضون ہ والذین هم للزکوٰة فاعلون ہ والذین هم لفروجهم حافظون ہ والذین هم لاماناتهم و عهدهم راعون ہ

یعنی وہ لوگ کامیاب ہیں جو نمازیں عاجزی کرتے ہیں دوسرے وہ لوگ جو بے کار باتوں سے منہ موڑتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اپنی امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں گویا مومنوں کی کامیابی میں فضول باتوں سے اجتناب۔ فیاضی۔ پاک دامنی اور ایفائے عہد بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مولانا صاحب مزید فرماتے ہیں:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں نیک بندہ وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔ اللہ تعالیٰ سورہ فرقان میں فرماتے ہیں:۔

و عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماہ والذین یبیتون لربهم سجدا و قیاماہ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذلك قواماہ والذین لایدعون مع الله الٰهًا اخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ہ و من یفعل ذلك یلق اثاماہ والذین لا یشهدون الزور و اذا مروا باللغو مروا کراماہ

اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں اور جب ناسمجھ آدمی کے ساتھ بات کرتے ہیں تو سلام

کہتے ہیں اور جو اللہ کے لیے ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور جب خرچ کرتے ہیں تو اس میں اعتدال سے کام لیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو بے گناہ کسی کو قتل نہیں کرتے۔ اور نہ بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں اس لئے کہ ایسا کرنا سنگین گناہ کا ارتکاب ہے۔ دوسرے نیک لوگ وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بے ہودہ باتوں پر گزر ہوتی ہے تو بہت شرافت سے گزرتے ہیں۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں جب قرآن کریم نے اخلاق کا یہ معیار قائم کیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن کریم کی زندہ شکل ہے تو پھر ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہم کس حد تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والے ہیں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان اخلاق کا اظہار ہمارے اعمال سے بالکل نہیں ہوتا۔ مگر مولانا صاحب کو پوری امید ہے کہ پشتون قوم کے دلوں میں حب نبی موجود ہے۔ اور اگر ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پشتو زبان میں پیش کی جائے تو وہ دن دور نہیں کہ پشتونوں کی زندگی میں عظیم انقلاب پیدا ہو جائے۔ اور خدا کرے کہ "مظلوم" کی یہ کوشش مندرجہ بالا نتائج پیدا کرنے میں ممد ہو۔ آمین۔

تذکرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

زیر نظر کتاب کے مؤلف محمد دلاور خان ہیں۔ وہ ساکن جھنڈہ ضلع پشاور کے رہنے والے ہیں کتاب ۱۳۴۰ھ میں رفاہ عام سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی ہے اور ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

مؤلف نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ زبان بڑی سلیس ہے جگہ آیات بمعہ ترجمہ دیتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔

چونکہ مؤلف قادیانی مسلک کے پیروکار ہیں اس لئے وہ غلام احمد قادیانی پر ایمان ارکان اسلام میں سے ایک رکن تصور کرتے ہیں۔ کتاب کی ابتداء میں حمد خدا ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ پھر قرآن کریم کی شان میں نظم ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی شان میں ایک قصیدہ ہے۔ پھر غلام احمد قادیانی اور جماعت احمدیہ کے عقائد نظم میں بیان کئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں (بقول اس کے) وہ اپنے پشتون بھائیوں کو غلام احمد قادیانی کی نبوت کی خوشخبری دیتے ہیں اور لوگوں کو اس کا پیروکار بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جواہر الانبیاء معروف بہ قصص الانبیاء

زیر نظر منظوم کتاب کے مؤلف احمد ہیں۔ کتاب ۱۹۲۷ء میں مطبع واشنگٹن لاہور سے شائع ہوئی ہے اور ۴۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری۔ جام پور

متحدہ ہندوستان کی سرزمین کے آخری علمی دوروں میں ایسی ایسی عظیم ہستیاں گزری ہیں جن کی دوسرے ممالک میں نظیر نہیں ملتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ یہ ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں علم و دین کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ انہی بزرگوں نے محدثِ کبیر عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ آپ نے اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں گزاری۔ آپ اپنے وقت کے عظیم محدث، مفسر، فقیہہ اور عارفِ کامل تھے۔ حق و صداقت اور تواضع و انکساری کا پیکر تھے۔

آپ کا سلسلۂ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا گل احمد صاحب اپنے وقت کے مشہور طبیب، ایک سنجیدہ عالم دین، متورع، متقی اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۔ اگست ۱۸۸۲ء کو بہبودی ضلع کیمبلپور میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ میں خدا ترسی، رحم دلی، خوش خلقی، سنجیدگی اور عابدانہ زندگی کا اثر نمایاں تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم بہبودی ہی میں حاصل کی۔ پھر فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم کے لیے شمس آباد تشریف لے گئے۔ اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولانا فضل حق صاحبؒ سے پڑھیں جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے شاگرد تھے اور پھر مکھڈ تشریف لے گئے جہاں مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحبؒ سے شرح جامی اور ملا حسن تک کتابیں پڑھیں۔ پنجاب کے یکتا مشہور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان کا عزم کیا اور ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مظاہر العلوم میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عنایت علی، مولانا عبدالوحید اور مولانا عبداللطیف،

صاحبؒ جیسے اکابر مدرسین موجود تھے ۔ دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے پڑھیں اور ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سے سند فراغتِ تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد آپ نے اپنے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں حدیث پڑھنے کی اجازت طلب کی ۔ اُنہوں نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر العلوم میں کرنی ہوگی ۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ، علاّمہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد احمد صاحبؒ سے کُتب احادیث پڑھیں اور مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیوبند میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی ۔

۱۳۲۲ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد اپنے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں حسبِ وعدہ مظاہر العلوم تشریف لے آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا ۔ کچھ عرصہ اپنے دُوسرے اساتذہ کے اصرار پر تحصیل تونسہ میں حدیثِ رسولؐ کے چراغ جلائے مگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی محبت و کشش پھر مظاہر العلوم میں کھینچ لائی اور اپنے مادرِ علمی مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں مسندِ علم و درس کی زینت بنے اور قیامِ پاکستان تک مظاہر العلوم میں صدر مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور ہندوستان کے تمام اطراف نیز حجاز و یمن ، افغانستان ، برما ، بخارا اور افریقہ تک آپ کا فیض علمی و روحانی پہنچا اور ہزاروں تلامذہ و مُریدین شرقاً و غرباً پھیلے جو آپ کے اسم مبارک اور پاکیزہ زندگی کو قیامت تک روشن رکھیں گے ۔

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً دو سال کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ " دارالعلوم الاسلامیہ " ٹنڈو الٰہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانوی کے اصرار پر مسندِ درس و تدریس پر رونق افروز ہُوئے اور اس کے بعد اکوڑہ خٹک میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ۔ غرضیکہ آپ نے نصف صدی سے زائد تک علم و دین کے لیے اشاعت فرمائی اور اس آفتاب علم و دین کی ضوافشانیوں سے ایک عالم بقعہ نور بنتا رہا ۔ اس دورِ انتشار و خلفشار میں کم ہی علمائے کرام ایسے ہوں گے جن کو مسلسل نصف صدی مسندِ درس و تدریس کی زینت بننا نصیب ہُوا ہوگا ۔ اور جنہوں نے اس قدر طویل زمانہ افادۂ تلامذہ اور علومِ اسلامیہ کی خدمت و اشاعت میں گزارا ہے ۔

قیامِ مظاہر العلوم کے دوران ۱۹۳۶ھ میں آپ نے حج ادا کیا ۔ اس وقت آپ کے ایک

خصوصی شاگرد اور متوسل جناب مولانا محمد داؤد یوسف صاحب آپ کے رفیقِ سفر اور خادم خاص تھے۔ سفرِ حجاز کی مکمل روئداد انہی نے لکھی جو آپ کی سوانح "تجلیاتِ رحمانی" میں شامل ہے۔

آپ کو اپنی روحانی تسکین کے لیے دُور جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ طالب علمی کے آخری دَور میں آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا جو صرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمانِ روحانیت کے درخشندہ ماہتاب اور ستارے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور پھر مُرشدِ ثانی کی تلاش میں نکلے۔ ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ذاتِ اقدس مرجع خاص و عام تھی۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت حکیم الامتؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پہ لیا ہے وہ اہلِ نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ بھی کسی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے۔ بالآخر آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ جو قبول ہوئی بلکہ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ کو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی محبّت تھی اور ہر کام اپنے شیخ کے حکم پہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت حکیم الامتؒ کو بھی آپ کی ذات پہ مکمل اعتماد تھا اسی لیے آپ فرماتے تھے کہ:

"مولانا کامل پوری نہیں بلکہ کامل پورے ہیں"

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مظاہر العلوم سہارنپور میں جس زمانے میں صدرالمدرسین کے عہدہ پہ فائز ہوتے اس زمانے میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تزکیۂ باطن کے لیے رجوع فرمایا اور خلافت سے کامیاب ہوئے۔ حضرت حکیم الامت کا یہ مقولہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بہت اچھی طرح باقاعدگی سے سلوک کے منازل کو طے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجدد ملت حکیم الامتؒ کی اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی"۔

(تجلیاتِ رحمانی مؤلفہ قاری سعید الرحمٰن صاحب)

حضرت مولانا کی شخصیت ایک بین الاقوامی شخصیت تھی اسی لیے آپ کے زمانے کے مشاہیر علماء آپ کی جامع شخصیت کے معترف تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

"مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی شانِ عالی کا کیا کہنا۔ ایک ایک خط و مکاتیب عبادت الرحمٰن میں ایک ایک مقام طے فرمایا ہے"۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "قیامت میں اتنا کہہ دینا اپنے لیے

کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کو دیکھا ہے" حضرت مولانا عبدالباری ندوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ" مولانا کامل پوری کی قدر تو وہ پہچانے گا جسے صحابہ کرامؓ کی زندگی پسند ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ" مولانا مرحوم عجیب فرشتہ صفت انسان تھے۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانی فرماتے ہیں کہ :۔ " مولانا علم تقویٰ اخلاق کے مینار تھے "۔

غرضیکہ آپ کا علمی وروحانی مقام بہت بلند تھا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا تھا۔ آپ نہایت متواضع، منکسرالمزاج اور خوش اخلاق تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ آخر کار یہ آفتاب علم و عمل ۷ ، ۲ر شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین صاحبؒ نے پڑھائی اور معتقدین نے لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے علم و معرفت کی محفل خاموش ہوگئی اُن کی زندگی ہمارے لیے نمونۂ عمل تھی وہ علم و معرفت کے ایسے خاموش سمندر تھے جو مدّوجزر سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس دَور میں اگر ہمیں اپنے اسلاف کے نمونہ کی تلاش ہوتی تو حضرت مولانا کی طرف نگاہ اُٹھتی تھی "۔

محدّث العصر حضرت علامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ :" حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دُنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ مولانا مرحوم علوم اسلامیہ و دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے۔ اخلاق علم و فضل اور کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم و عارف تھے۔ صوفی و محقق اور فقیہہ و محدث تھے۔ غرض علمی دُنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ :" حضرتؒ کی وفات سے دُنیا ایک بے بدل شیخ اور بے نظیر عالم اور بے مثال مصالح سے خالی ہوگئی ہے۔ یہ ساری اُمت کا نقصانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالےٰ غیب سے کوئی مثیل و بدل عطا فرمائے "۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ" حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مجسمۂ اخلاق تھے۔ اُن کے ہاں مہمان نوازی تھی، عجز و انکسار تھا، تحمّل اور بردباری تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک ایسے صوفی تھے جنہوں نے اتباعِ سنت کو اپنا سرمایۂ حیات اور تقوےٰ کو اپنا اوڑھنا بچھونا

باقی صفحہ ۵۸ پر

خُون ـــــ فارسی اور اُردو میں جس مفہوم اور معنی کے لیے مستعمل ہے اُس کے لیے یورپ والے انگریزی میں BLOOD (بلڈ) ڈچ زبان میں BLOED اور سویڈن، ڈنمارک اور ناروے میں قومی زبانوں میں BLOD کے کلمات استعمال کرتے ہیں - D (د-ڈ) اور T (ت-ٹ) قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے تبدیل ہو جاتے ہیں - چنانچہ جرمنی والے خون کو BLUT کہتے ہیں - یعنی D کو T سے بدل دیتے ہیں - اور T (ت) اور S (س) قریب المخرج ہونے کے باعث آپس میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں - اس کا نتیجہ ہے کہ یہودی زبان جو عبرانی اور جرمن سے ماخوذ و مرکب ہے میں خون کو BLUSE کہتے ہیں -

جدید علم لسانیات کے ماہر علماء کی تحقیق کے مطابق خون کے ہم معنی اوپر بیان کئے گئے کلمات کا ماخذ انگریزی زبان کا کلمہ BLOOM (بلوم) ہے جس کے معنی ہیں "شگوفہ" پھول اور خاص کر سرخ رنگ کا پھول جب شگوفے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کا رنگ نہایت شوخ اور سُرخ ہوتا ہے اور بلا تکلف اسے خون سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور شگوفے کا خون آلود ہونا ہمارے اردو اور فارسی شاعروں کا تکیہ کلام ہے۔ آپ کسی شاعر کا کلام اُٹھا کر دیکھیں۔ سینکڑوں اشعار ملیں گے جن میں شگوفہ اور خون کو مشبہ اور مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے - مختصر یہ کہ اہلِ یورپ نے خون کے لیے شگوفہ سے مستعار کلمات لیے ہیں - یعنی BLOOD (خون) وغیرہ کلمات BLOOM (شگوفہ) وغیرہ سے ماخوذ ہیں -

شگوفہ ـــــ شگوفہ کے لیے انگریزی میں BLOOM کا لفظ ہے - یہی BLOOM آئس لینڈ کی زبان میں BLOM ہالینڈ والوں کی ڈچ زبان میں BLOEM جرمن میں BLUME سویڈش میں BLOMMA

ڈینش میں BLOMME گوتھک میں BLOMA ہے۔

انگریزی میں BLOSSOM اور اینگلو ساکن یعنی انگریزی زبان کے ماخذ × یا قدیم انگریزی زبان میں BLOSTMA کے معنی ہیں کلی، شگوفہ تازہ کھلا ہُوا پھُول۔

پھُول کھلنے کو انگریزی میں BLOW اور پھُول کھلنے اور ہَوا کے چلنے اور خوشبو کے پھیلنے سے جو تعلق ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس لیے BLOW کے معنوں میں ہَوا کا چلنا، خوشبو کا پھیلنا، ہَوا کا جھونکا وغیرہ بھی شامل ہے۔

اینگلوساکن میں پھُول کھلنے یعنی BLOW کو BLOWAN ڈچ میں BLOEIJEN اور جرمن میں BLUHEN کہتے ہیں۔ یہ سب کلمات اہل یورپ کی اپنی تحقیق کے مطابق BLOOM بمعنی شگوفہ سے ماخوذ ہیں۔

پھُول ــــ شگوفہ کے بعد آئیے پھول کی طرف۔ یہ قاعدہ متعدد بار بیان کیا جا چکا ہے کہ B ب اور F (ف) نہ صرف ہم آواز ہیں بلکہ بعض زبانوں میں B (ب) F (ف) ہی کی آواز دیتا ہے۔ مثلاً رُوسی زبان میں B کلمہ یا رکن کلمہ کے آخر ہو تو اس کی آواز بجائے B (ب) کے F (ف) کی ہوتی ہے۔ سربو کروٹ (ERBO-CROAT) یوگوسلادیہ کی زبان میں B (ب) کی آواز انگریزی کے حرف V (و) کی ہے اور یہی حال یونانی زبانی میں B کا ہے۔ مختصر یہ کہ B (ب) بعض اوقات F (ف) کی آواز دیتا ہے اور یوں BLOW (پھول کھلنا) کو FLOW میں تبدیل کر کے اس سے اسم فاعل FLOWER بنا لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھلنے والا۔ مہکنے والا۔ خوشبُو پھیلانے والے یعنی پھول۔ یہی FLOWER (پھُول)، فرانسیسی میں FLEUR پرتگالی میں FLOR رومانیہ کی قومی زبان رومانیس میں FLOARE اور یورپ کے بیشتر زبانوں کی نمائندہ اور ترجمان زبان اسپرانتو میں FLORO ہے۔ اطالوی میں L (ل) کو حذف کر کے پھول کو FIORE کہا جاتا ہے۔

یورپ کی بہت سی زبانوں میں BLOOM یا BLOW بمعنی پھول کھلنا اور شگوفہ میں B (ب) کو F (ف) سے بدلنے کا تکلف نہیں کیا گیا اور سیدھے طریقے سے پھُول کو جرمن میں BLUME ڈچ میں BLOEM سویڈش میں BLOMMA۔ ڈنمارک اور ناروے کی زبانوں میں BLOMST اور یہودی زبان میں BLUM کہا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ :۔

۱۔ خون کو BLOOD کہتے ہیں یہ اور اس کے ہم آواز و ہم معنی کلمات BLOOM بمعنی شگوفہ

سے ماخوذ ہیں ۔

۲ ۔ شگوفہ کو انگریزی میں BLOOM کہتے ہیں ۔ یہ لفظ اور اس کے ساتھ کے دوسرے کلمات کا مشترک ماخذ BLOW ہے اور پھول کے لیے FLOWER اور اُس کے ہم آہنگ اور ہم معنی کلمات کا ماخذ بھی یہی کلمہ ہے ۔

۳ ۔ نتیجہ یہ کہ خون شگوفہ اور پھول وغیرہ کے جدید زبانوں میں مترادفات کا ماخذ مشترک ہے جرمن میں BLUT اور انگریزی میں BLOOD وغیرہ ہے ۔

عربی میں بلتۃ کے معنی شگوفہ کے ہیں ۔ ہم نے صرف اس قدر جسارت کی ہے کہ BLOOD جو جرمن میں BLUT ہے ۔ اس کے متعلق عرض کیا ہے کہ یہ عربی میں بلتۃ ہے اور اگر یہ عرض کرنے کی مزید جسارت کریں کہ یونانی (GREEK) زبان میں پھول کو LOLLO کہا گیا ہے اور یہ کلمہ عربی کے لوٹلو کی نقل ہے تو ہماری یہ جسارت بے دلیل نہ ہوگی ۔

دیکھا آپ نے عربی کا ایک لفظ بلتۃ یورپ کی درجنوں زبانوں میں تیئیس کلمات کا ماخذ ہے ۔ یاد رہے کہ ان تیئیس کلمات میں سے ہر کلمہ اپنی زبان میں ایک بنیادی اور اساسی کلمے یعنی ماخذ اور ROOT کی حیثیت رکھتا ہے ۔ مثال کے طور پر آپ فیروز سنز والوں کی انگریزی اردو لغت کی کتاب کھول کر دیکھیں ۔ ایک لفظ BLOOD متعلقہ قسم کے مفرد اور مرکب بائیس کلمات کا جزو اوّل ہے جبکہ BLEED بھی اس کی ایک صورت ہے ۔

"الحق" کے قارئین حضرات کے سامنے یہ کہنے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ بلتۃ بمعنی شگوفہ وہی لفظ ہے جو بلتۃ بمعنی تر و تازگی میں نظر آتا ہے اور بلّ و بللٌ اس کا ماخذ ہے اور ہمارے پنجابی دوست جو شگوفے جیسے سرخ اور تر و تازہ ہونٹوں (لبوں) کو بُلّ کہتے ہیں تو بلاوجہ نہیں کہتے ہیں اور اگر ایک قدم اور آگے جائیں اور یوں کہیں کہ جس طرح اہلِ لغت نے اس حقیقت کو جابجا بیان کیا ہے کہ اصل لفظ "اُمٌ" (ماں) ہے جسے قلب کر کے ماء (پانی) بنا لیا گیا ہے ۔ اسی طرح اصل لفظ بلّ بمعنی تر و تازہ شگوفہ اور پھول ہے ۔ پنجابی کا بُلّ ہونٹ ہے جسے قلب کر کے فارسی والوں نے لب اور یورپ والوں نے LIP بنا لیا ہے تو ہم کسی قاعدے کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہوں گے ۔

دَم ــــ دم عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں خون ۔ عبرانی میں یہ لفظ DAM اور افریقہ کی زبان سواحلی میں DAMU ہے ۔ جسم میں خون قوت اور توانائی کا باعث ہے اس لیے ہمارے

ہاں "دم" کے معنی طاقت اور توانائی کے ہیں۔ "دم لینا" محاورہ ہے۔ یعنی تھکاوٹ کے باعث جو توانائی کم ہو گئی ہے آرام کر کے اُسے پُورا کیا جائے۔ دَم، سانس کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ باقی رہا دام۔ سو یہ لفظ عربی کے درہم سے ماخوذ ہے۔ جس سے اہلِ یورپ نے ڈرام لیا ہے۔ اس کی تفصیل سید سلیمان ندویؒ نے نقوشِ سلیمانی میں پیش کیا ہے۔

صحت ــــ خوُن کے بعد آیئے صحت پر غور کریں۔ انگریزی میں ایک لفظ SANITARIUM (سینی ٹیریم) ہے۔ اس کے معنی ہیں دارالصحت۔ اہلِ یورپ کا خیال ہے کہ لاطینی زبان کا لفظ SANU جس کے معنی ہیں حفاظت کرنا۔ وہ انگریزی کے اسی لفظ (SANATARIUM) کا ماخذ ہے۔ علاوہ ازیں انگریزی میں صحت کے لیے SOUND فرانسیسی میں SANO ہسپانوی، اطالوی اور اسپرانتو میں SANO جرمن میں GESUND سویڈش میں GESUND ڈچ میں GEZOND اور ڈینش میں SUND کے کلمات مستعمل ہیں۔

گویا بقول اہلِ یورپ ان سب کا ماخذ لاطینی زبان کا کلمہ SANU بمعنی حفاظت کرنا ہے۔ عربی میں یہ لفظ صوَن اور صان کی صورت میں موجود ہے۔ جس مصوّن کا لفظ ہمارے ہاں اُردو میں رائج ہے جس کے معنی ہیں محفوظ۔ صیانت بمعنی حفاظت سے کون واقف نہیں۔

بیٹا ــــ لاطینی کا SANU یورپ کی جدید زبانوں کے کلمات SANO وغیرہ کا ماخذ ہے اس کا ہم لہجہ اور ہم آواز کلمہ SON ہے جس کے معنی ہیں بیٹا۔ یہ لفظ انگریزی میں SON جرمن میں SOHN ڈچ میں ZOON سویڈش اور ڈینش میں SON نارویجن میں SONN پولینڈ کی زبان پولیش اور چیکو سلاویہ کی زبان زیچ میں SYN۔ یوگوسلاویہ کی زبان یروکروٹ اور روسی زبان میں SIN۔ اور یہودی زبان میں SUNN ہے۔ اہلِ یورپ کی تحقیق کے مطابق ان سب کلمات کا مشترک ماخذ سنسکرت کا لفظ SUNU ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بنانا اور جو عربی میں صنعہ ہے۔

اس موقعہ پر یہ بات بیان کرنا دلچسپی کا باعث ہو گا کہ عربی اور عبرانی میں بیٹے کو ابن اور بن کہتے ہیں۔ اور بناء، بنیان۔ بنی وغیرہ کلمات بھی عربی میں اسی ماخذ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس طرف بن اور ابن وغیرہ توجہ دلاتے ہیں اور ہمارا اردو کا لفظ بنانا بمعنی ساختن اسی عربی کے بن اور بناء کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ بیٹا باپ کی بنائی ہوئی یادگار ہے۔ حدیث میں بیٹے کو باپ کی کمائی کہا گیا ہے۔ ان اولادکم من کسبکم۔ و لد الرجل من کسبہ۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے بارہ میں ایک وضاحتی خط الحق کا شمارہ برائے رمضان المبارک موصول ہوا۔ اس میں "جگ بیتی اور آپ بیتی" کا ایک عنوان ہے۔ جو خان غازی کابلی کے قلم سے ہے۔ والد مرحوم سے متعلق یہ تحریر اکاذیب، اغلوطات کا مجموعہ ہے، اس خدا کے بندے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ والد مرحوم کی پیدائش انکی ننہال موضع "دودھوان" میں ۱۲۹۲ھ میں ہوئی ہے۔ دودھوان وادیٔ لولاب میں واقع ہے نہ کہ وادیٔ نیلم یا نیلاب میں۔

میرے دادا مرحوم مولانا معظم شاہ صاحب مظفر آباد سے موضع ورنو میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ وادیٔ لولاب ہی میں واقع ہے۔ دیوبند کے داخلہ کے وقت صرف ایک بار انہوں نے مظفر آبادی لکھا ہے۔ بعد کے تمام رجسٹروں میں والد مرحوم کے ساتھ کشمیری ہی لکھا ہوا ہے —— غازی خان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ خود مظفر آباد بھی کشمیر میں شامل ہے۔ پھر اللہ کے بندے نے میرے بہنوئی مولانا احمد رضا صاحب کو "پٹھان" لکھ دیا۔ حالانکہ وہ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ اور ان کا شجرہ محفوظ ہے۔ ہماری کوئی بہن پٹھانوں میں نہیں گئی۔

یہ تصریحات حقائق کو محفوظ رکھنے کیلئے ہیں۔ عیاذاً باللہ پٹھانوں کو کمتر سمجھنے کے جذبہ کو ظاہر نہیں کرتیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

اسی شمارہ میں مولانا عبداللہ صاحب شجاع آبادی کے بھی ملفوظات ہیں اس میں بھی کافی غلطیاں ہو گئیں مثلاً حضرت نانوتویؒ کا ایک واقعہ کہ انکی خدمت میں گنگوہ سے ایک حجام آیا، تو انہوں نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور آنیوالے کی رونمائی یہ کہتے ہوئے کراتے تھے کہ میرے مرشد کی بستی سے آیا ہے۔" حالانکہ حضرت کے مرشد "تھانہ بھون" کے ہیں نہ کہ "گنگوہ" کے۔ انہیں ملفوظات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "یار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ تعبیر سقیم بھی ہے اور سوٗادبی کی مظہر بھی۔ حضرت گنگوہی سے بھی متعلق بعض واقعات غلط درج کئے گئے ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ ایسے ذکی، فاضل اور باخبر مدیر کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلہ میں یہ خرافاتی نقشے حقائق بن کر کیسے شائع ہو گئے انکی تردید بے حد ضروری ہے۔ خصوصاً والد مرحوم سے متعلق اجزاء تو شدید

تمدید کا مطالبہ کرتے ہیں۔ احقر آپکی خدمت میں "نقشِ دوام" بھی پیش کر چکا ہے۔ پھر اغلوطات کیسے شائع ہو گئے ؟ یا سبحان اللہ "الحق میں" اور یہ اکذب۔

رسالہ یہ ذرۂ بے مقدار عازم حرمین شریفین ہے۔ اگر آپ تشریف فرما ہوں تو اطلاع دیجئے، تاکہ شرف نیاز حاصل ہو سکے، ساہیوال میں ہونے والے اجلاس برائے دارالعلوم کی شرکت کی دعوت ملی ہے، اس میں شرکت کا وعدہ بھی کر لیا لیکن دیوبندی اکابر نے اسے حج کے بعد رکھنے کی درخواست کی ہے۔ سفر پاکستان کے موقعہ پر اکوڑہ خٹک کی زیارت کی تمنا قلب کی بڑی آرزو ہے۔ آپکے والد ماجد دیوبند تشریف رکھتے تھے تو دور سے ان کی زیارت کا شرف نصیب ہوتا، شکل و صورت محفوظ ہے، لیکن خاکسار اس وقت جاہلیت کے دور سے گذر رہا تھا۔ یعنی انگریزی پڑھ رہا تھا۔ اس لئے حضرت موصوف سے ہم نشینی و ہم کلامی کا شرف بھی نصیب عاجز نہ تھا۔ خدا تعالیٰ ان کے ظلِ ظلیل کو آپ اور خدام پر طویل تر فرمائے۔

میری جانب سے انکی خدمت اقدس میں نیاز مندانہ سلام پیش کر دیں نقشِ دوام پر آپ کا تبصرہ باصرہ نواز نہیں ہوا، انتظار ہے اور رہے گا۔ نضّر اللہ وجھک یوم القیامۃ و وفقک اللہ لسماع الحق وقد سماک اللہ تعالیٰ سمیع الحق فعلیک سماع الحق۔ (مولانا انظر شاہ کشمیری۔ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ صاحبزادہ مولانا انور شاہ کشمیری)

ماہر القادری مرحوم اور فاران کا خصوصی شمارہ | ادارہ فاران نے اس کے بانی و مدیر مولانا ماہر القادری مرحوم کی یاد میں فاران کا ایک ضخیم خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مولانا کے مداح اور ہم عصر اہل قلم سے اپنے رشحات قلم تاثرات اور یادداشتیں ارسال کرنے کی خصوصی اپیل ہے۔

(مسرور حسین مدیر فاران ای ۲/۲ ناظم آباد، کراچی ۱۸)

چوہدری افضل حق مرحوم اور سوانحی مواد | احقر چوہدری افضل حق مرحوم صدر مجلس احرار اسلام کے افکار و سوانح پر تحقیقی کتاب لکھ رہا ہے۔ جو احباب مرحوم کی زندگی یا افکار کے سلسلے میں کوئی مواد مطبوعہ یا غیر مطبوعہ رکھتے ہوں تو براہ کرم عاریتاً ارسال فرمائیں۔ (امجد علی شاکر ایم اے بصیر پور، ضلع ساہیوال)

وفاق المدارس بنگلہ دیش | بنگلہ دیش کے قومی و عربی مدارس کی ایک نمائندہ کانفرنس ڈھاکہ میں منعقد ہوئی یہ وفاق جمعیۃ العلماء اسلام بنگلہ دیش کی انتھک مساعی سے وجود میں آیا نصاب پر غور کیا جا رہا ہے۔ امتحانات کیلئے امتحانی کمیٹی بنائی گئی۔ (۔۔۔ ناظم وفاق المدارس العربیہ امداد العلوم فرید آباد، ڈھاکہ)

علماء پاک و ہند کی حدیثی خدمات | عالم عرب کو علماء برصغیر کی حدیثی خدمات سے متعارف کرانے کیلئے ایک عربی تالیف زیر ترتیب ہے۔ علماء سے اپیل ہے۔ کہ حسب ذیل معلومات فراہم کر کے علمی کام میں تعاون فرمادیں۔ حدیث نبوی کے سلسلہ میں آپ یا آپ کے شیخ کی خدمات از قسم تالیف، حاشیہ، مطبوعہ، غیر مطبوعہ خصائص

کتاب حدیث کے علاوہ باقی تصانیف اگر ہوں ۔ ۲۔ اپنے شیخ کے مختصر حالاتِ زندگی ۔ ۳۔ کسی اور محدث کی حدیثی خدمات آپ کے علم میں ہوں یا ایسا علمی ۔۔۔ جو حدیث کی کتابوں کی اشاعت کی خدمات انجام دے رہا ہو تو اس کا پتہ اور مختصر تعارف ۔ والسلام ۔

(عبدالرزاق سکندر جامعۃ العلوم الاسلامیہ ۔ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۔)

دارالعلوم مٹہ سوات | بحمداللہ مٹہ سوات میں دینی مدرسہ کا آغاز شوال سے ہو چکا ہے ۔ ۵ جید اور معروف اساتذہ مصروفِ تدریس ہیں درسِ نظامی بشمول دورۂ حدیث پڑھانے کا بھی انتظام ہے ۔

(مولانا لطافت الرحمان روبیاں مولوی مہتمم دارالعلوم مٹہ سوات)

مالک اور مزارعین کے جھگڑے | بھٹو کی سیاست قوم کو لڑا کر حکومت کرنا تھی ۔ اس نے مالک اور مزارع کو لڑانے کے لئے بے دخلی کا قانون تیار کیا ۔ عدالتوں کے ذریعہ مزارع کو بے دخل کرانے پر سالہا سال گذر جاتے ہیں ۔ تنگ آمد بجنگ آمد ایک دوسرے کے قتل و قتال کی نوبت آجاتی ہے ۔ زمین بے کار پڑی رہتی ہے ۔ ایک فریق قبر میں دوسرا جیل میں پہنچ جاتا ہے ۔ جنرل ضیاء الحق سے اپیل ہے کہ ایسے قانون کو منسوخ کر کے سینکڑوں جانوں کو ضیاع سے بچالیں ۔　　(حافظ عبداللہ انور ۔ چکڑالہ ۔ میانوالی)

سمجھ رکھا تھا ۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ۔

فخرِ اسلاف جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مدیر "الحق" فرماتے ہیں کہ " آہ ! علم و عمل ، تقویٰ اور تصوف کا وہ روشن ستارہ غروب ہو گیا جس کی روشنی اور تابناکی سے نصف صدی تک علم و عمل کے ایوان جگمگاتے رہے اور جس سے ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہوئے ۔ آپ میں علم و حکمت ، اخلاق و کردار تقوے و طہارت کی تمام صفات موجود تھیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس صدمۂ عظمیٰ کے تحمل و برداشت کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین "

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ نے تاریخ قطعات وفات لکھی جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

عبدالرحمٰن ولی و شیخ تفسیر و حدیث !
حضرت علامہ جن کی ہر صفت تھی لاجواب
حضرت اشرف علی تھانوی کے جانشین
آہ ! اب تیغِ اجل سے بے سرو پا ہو گئے

مصلح و شیخ طریقت بے مثال و بے مثل
علم و تقوے اور تقدس بے نظیر و بے بدل
جن سے ہر مشکل سے مشکل عقدہ ہو جاتا تھا حل
فقر و دین ، زہد و ورع فضل و کرم ، علم و عمل

۱۰-۱۰۰　۵　۲۰۰　۸۰۰　۲۲　۳۰　۴۰

۱۳۸۵ھ

● ۲ اکتوبر۔ وفاقی وزیر اطلاعات جناب محمود اعظم فاروقی صاحب بعد از مغرب تشریف لائے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے گھر پر ملاقات کی اور کچھ دیر تک ان کے ساتھ رہے۔

● ۷ اکتوبر۔ محترم ایڈیٹر الحق حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی عیادت کے لئے راولپنڈی تشریف لے گئے اور دو دن ان کے ساتھ رہے۔

● ۱۰ اکتوبر۔ وفاقی وزیر صحت جناب میر صبح صادق کھوسو صاحب حضرت شیخ الحدیث کی زیارت کے لئے دارالعلوم تشریف لائے۔ دفتر الحق میں ان کو ضیافت دی گئی۔ گھنٹہ بھر حضرت کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد دارالحدیث میں طلبہ اور اساتذہ کے اجتماع سے مختصر خطاب فرمایا اور قومی حکومت کے عزائم اسلامی پر روشنی ڈالی اس سے قبل مولانا سمیع الحق صاحب نے وزیر موصوف کا خیر مقدم کیا اور اس اہم منصب کے لئے مولانا مفتی محمود صاحب کے حسن انتخاب کو خراج تحسین پیش کیا۔ جمعیۃ طلباء اسلام دارالعلوم کی طرف سے مولوی عنایت اللہ ڈیروی متعلم دارالعلوم نے موصوف کو سپاسنامہ پیش کیا وزیر صحت کو محترم ایڈیٹر صاحب نے اکوڑہ خٹک، نوشہرہ کلاں دریر پیائی کے ہسپتالوں کا بھی معائنہ کرایا۔
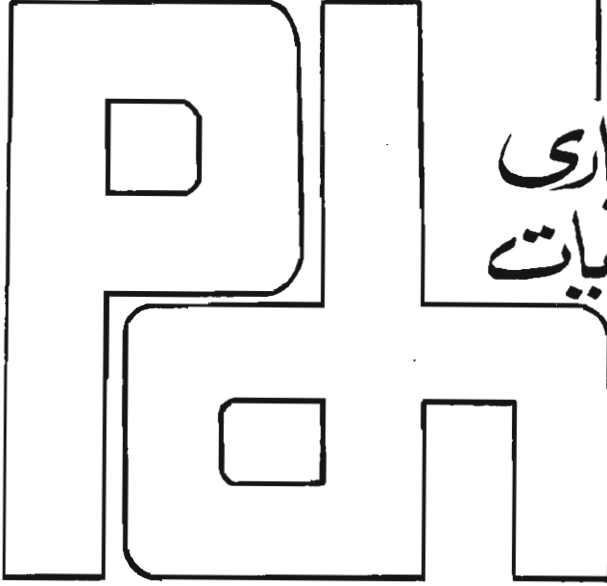
معیاری
ادویات
کا
نامور
ادارہ
خدمت ، دیانت ، اورسروس
میں
پیش پیش
معیاری نشان Ph ادویات خریدتے وقت یاد رکھیں
پنجاب ڈرگ ہاؤس نکلسن روڈ لاہور

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

REGD-NO.P-90

مطبوعات مؤتمر المصنّفین

دعوات حق (جلد اول)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل. عروج و زوال. نبوت و رسالت. شریعت و طریقت. ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۶۷۵، بہترین ڈائی دار جلد، قیمت -/۳۰ روپے۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملی مسائل پر قراردادیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردعمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہوسکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

عبادات و عبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸، قیمت -/۳ روپے

مسئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسینؓ، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴ قیمت -/۳ روپے۔

اسلام اور عصر حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، صفحات ۶۴۰ جلد سنہری ڈائی دار قیمت -/۳۰

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں قرآن حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری (عربی)

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ، بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور امائی اکابر سے زیر بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اول صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی (عربی)

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ۔ بخاری شریف کی کتاب الجہاد والمغازی اور حدیث وصیۃ زبیرؓ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر۔ انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشادات حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۱/۵۰ روپیہ۔

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان